# جدید افکار و نظریات

﴿ایک تجزیاتی مطالعہ﴾

مطالعہ تاریخ کے رہنما اصول، جماعت المسلمین سیکولرازم سوشل ازم
جمہوریت اور ہیومن رائٹس پر لکھے گئے تجزیاتی مقالات کا حسین مجموعہ


تالیف

مولانا محمد رضوان عزیز صاحب دامت برکاتہم



عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ

حضوری باغ روڈ ملتان فون نمبر 0614783486

# جدید افکار و نظریات

## ﴿ایک تجزیاتی مطالعہ﴾

مطالعہ تاریخ کے رہنما اصول، جماعت المسلمین سیکولرازم سوشل ازم
جمہوریت اور ہیومن رائٹس پر لکھے گئے تجزیاتی مقالات کا حسین مجموعہ

تالیف:

مولانا **محمد رضوان عزیز** صاحب حفظہ اللہ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
حضوری باغ روڈ ملتان فون نمبر 0614783486

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# فہرست


| | |
|---|---|
| مقدمہ | ۴ |
| فصل الاوّل: مطالعہ تاریخ کے چند رہنماء اصول | ۶ |
| فصل الثانی: جماعت المسلمین تعارف و تجزیہ | ۱۵ |
| جماعت المسلمین کے عقائد | ۱۹ |
| دلائل | ۵۴ |
| فصل الثالث: سیکولرازم تعارف و تجزیہ | ۸۰ |
| فصل الرابع: لبرل ازم تعارف و تجزیہ | ۸۳ |
| فصل الخامس: روشن خیالی (انلائیٹمنٹ) تعارف و تجزیہ | ۸۶ |
| فصل السادس: سول سوسائٹی تعارف و تجزیہ | ۸۸ |
| فصل السابع: ترقی (Devolpmant) | ۹۳ |
| فصل الثامن: جمہوریت کا تعارف و تجزیہ | ۹۵ |
| فصل التاسع: ہومین رائیٹس کا تعارف و تجزیہ، حقوق انسانی کا عالمی منشور | ۹۷ |
| ایک نظر انسانی حقوق کے عالمی منشور پر | ۹۸ |
| فصل العاشر: علوم وحی اور سائنس | ۱۰۳ |

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مقدمہ

اللہ تعالیٰ کی ذات ہی لائق حمد وثناء ہے۔ جس نے کارخانہ عالم کو وجود بخشا اور اسے اپنی قدرت خاصہ سے مزین کیا اور صلوٰۃ وسلام ہو نسل انسانی کے سردار مشفق اور رہبر ورہنما نبی خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ پر، جن کی بعثت سے سلسلہ نبوت اپنے کمال اختتام کو پہنچا اور باضابطہ حتمی اور آخری خدائی خلافت کا آغاز ہوا۔ ''علیہ الصلوٰۃ والسلام بعددکل ذرۃ الف الف مرۃ'' امم سابقہ کو اپنے انبیاء کی معیت میں غزوات عسکریہ کا سامنا رہا۔ جنگیں ہوتی رہیں اور حکومتیں بنتی اور ٹوٹتی رہیں، لیکن کسی بھی دور میں اہل حق پر فکری یلغار کی ایسی شدت نہیں آئی۔ جس کا سامنا امت مسلمہ کو کرنا پڑ رہا ہے۔ جب لڑائی صرف ایک جہت سے ہو تو آسان ہوتی ہے، لیکن چومکھی جنگ لڑنا۔ جس میں دماغ، زبان، قلم وکمان سب ہی شمشیر بکف ہوں اور دشمن بھی ''ابھی نہیں تو کبھی نہیں'' کے عزم سے میدان میں اترا ہوا ہو تو حالات کی سنگینی کا اندازہ خود ہی ہو جاتا ہے۔

قرب قیامت جو فتنے سر اٹھائیں گے ان فتنوں میں سے ایک خطرناک ترین فتنہ قلم کا ظہور ہے۔ آپ ﷺ نے علامات قیامت کو ارشاد فرماتے ہوئے اس حقیقت کو آشکارہ کیا۔

''عن النبی ﷺ ان بین یدی الساعۃ تسلیم الخاصہ وفشوالتجارۃ حتی تعین المرءۃ زوجھا علی التجارۃ وقطع الارحام وشھادۃ الزور وکتمان شھادۃ الحق وظھور القلم'' (مسند احمد رقم الحدیث ۳۶۶۴، ۳۸۴۸، مسند عبداللہ ابن مسعود رقم الحدیث ۳۸۷۰)

آپ ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ قیامت کے قریب صرف خواص ہی کو سلام کیا جائے گا۔ تجارت عام ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ مرد کے ساتھ اس کی عورت بھی تجارت میں تعاون کرے گی۔ قطع رحمی عام ہو جائے گی۔ جھوٹی گواہی کا دور دورہ ہوگا اور سچی گواہی کو چھپایا جائے گا اور قلم کا ظہور ہوگا۔ قلم کے ظہور سے جس تصنیف وتالیف کے فتنہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یہ دور اس کی عمدہ ترین مثال ہے۔ ہر شخص اپنی فکر ونظر میں آزاد خیال ہے۔ کوئی اخلاقی وشرعی قدغن اس کو پابند نہیں کر پا رہی اور پرنٹ اور سوشل میڈیا تک رسائی نے ہر ایک کی ذاتی سوچ کو چاہے وہ کتنی ہی سطحی کیوں نہ ہو، کثیر عوام الناس کا موضوع بحث بنا دیا ہے اور کس وناکس خواندہ و ناخواندہ رائے زنی کو اپنا حق سمجھتا ہے اور جہلاء کی گفتگو سے کس قدر اختلافات جنم لیتے ہیں۔ یہ

کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ مفسر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا: ''**لو سکت الجھال لقل الخلاف**'' اگر جاہل خاموش رہتے تو اختلاف کم ہو جاتا۔ جاہل علمی معاملات کے اہل نہ تھے کہ اس میں تبصرہ کرتے۔ مگر انہوں نے اپنی نااہلی سے ذہنی انتشار میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس وقت جب کہ ہر طلوع ہونے والا سورج کسی نئے فتنے کی خبر لا رہا ہے اور غروب ہوتے وقت کسی سنت کے نشان کو بھی ساتھ لے جاتا ہے۔ یہ ایسا دور پرفتن ہے کہ سید ابوالحسن علی ندوی تڑپ کر فرمایا کرتے تھے: ''**ردۃ ولا ابابکر لھا**'' ہائے ارتداد پھیل رہا ہے۔ مگر امت میں کوئی ابوبکر نظر نہیں آ رہا جو اس کا تدارک کرے۔

ملک عزیز اس وقت جن خارجی و داخلی مسائل کا شکار ہے، اس پر تشویش ہونا تو اہل وطن کے لئے ضروری ہے ہی، لیکن روز افزوں پیدا ہونے والے فکری و ذہنی فتنے اس کی بنیادوں کو متزلزل کر رہے ہیں۔ علماء حقہ ہمہ وقت ان فتنوں کی بیخ کنی میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور ہر طرح کے شرور سے ان کی حفاظت فرمائے۔

مولانا اللہ وسایا صاحب نے راقم کو حکم فرمایا کہ فتنوں کی نشاندہی اور گمراہ طبقات کی ہدایت اور درستگی کے لئے کچھ جامع نصاب تیار کرو۔ تعمیل ارشاد میں فوری طور پر مندرجہ ذیل عنوانات پر مضامین تیار کیے گئے۔ ''جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)'' مطالعہ تاریخ کے رہنما اصول، لبرل ازم، سوشل ازم، ہیومن رائٹس اور روشن خیالی وغیرہ اور ان غزوات فکریہ میں مسلمانوں کا مؤقف اور مدمقابل کا تعارف پیش کیا گیا ہے اور یہ تمام کام ہنگامی بنیادوں پر کیا گیا ہے۔ جس میں بہت سی بہتری کی گنجائش بہرحال موجود ہے۔ اگلے ایڈیشن میں ان شاء اللہ العزیز اس میں مزید مفید اضافہ جات ہوں گے۔ جو لوگوں کو شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

بعض کتب تک رسائی جو کہ بظاہر ناممکن تھی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا اسلم ندیم نقشبندی، بھائی آصف بلال اور برادر مکرم اصلاح الدین الشمس کو جنہوں نے مطلوبہ کتاب کی فراہمی کو یقینی بنایا اور تخصص سال سوم کے طلباء عزیز جو ساتھ ساتھ کمپوزنگ کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ بالخصوص مولانا معمر صاحب جو دن رات کتاب کی سیٹنگ اور پروف ریڈنگ میں مصروف رہے۔ حتیٰ کہ یہ تصنیف پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ اللہ ان تمام معاونین کو اپنی شایان شان اجر عظیم نصیب فرمائے اور روز محشر شفاعت پیغمبر سے ہمکنار فرمائے۔ **آمین یا رب العالمین!**

محتاج دعا: محمد رضوان عزیز
مسؤل شعبہ تخصص فی علوم ختم النبوۃ چناب نگر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# فصل الاوّل

## مطالعہ تاریخ کے چند رہنماء اصول

### علم عمرانیات کی افادیت واہمیت ایک مسلمہ حقیقت ہے

علم عمرانیت جسے علم تاریخ کہتے ہیں یہ انسانیت کے ارتقائی سفر کی داستان ہے۔ تاریخ انسانی ہے۔ تاریخ انسانی کے لیل ونہار، تعمیر وتخریب، حوادث وسانحات، عروج وزوال، انفرادی واجتماعی واقعات کا ایک تلخ مرقع ہوتی ہے۔ تاریخ انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں گزشتہ نسلوں کے بیش بہا تجربہ کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرتی ہے۔ اس تاریخ کے توسط سے ماضی کی غلطیوں پر متنبہ ہوکر نئی پالیسی وضع کی جاسکتی ہے۔ جس سے حال کو خوشحال اور مستقبل کو روشن کیا جاسکتا ہے۔

تاریخ نویسی میں چونکہ اپنے اسلاف کے حسن وقبح کو بیان کیا جاتا تھا اور ہر مؤرخ اپنے نقطہ نظر سے سوچتا تھا۔ اسی نظر سے لکھتا تھا اور تاریخ کا کوئی خاص اصول نہ ہونے کی باعث وثیقہ تاریخ اس درجہ کی ثقاہت حاصل نہ کرسکا جو کہ اس عنوان کا تقاضا تھا۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ بے اصولیاں ہمیشہ کچھ اصولوں کی بنیاد بن جاتی ہیں۔ لہٰذا نسل انسانی کے بے اصولیوں نے کچھ اصولوں کو جنم دیا اور تاریخ تعمیر نو کے سخت مرحلے سے گزری۔ بعض وہ لوگ جو علوم تاریخ سے تو آشنائی رکھتے تھے، مگر وحی کی روشنی سے محروم تھے۔ انہوں نے تاریخ کی جس طرح منظر کشی کی وہ ایک مستقل تاریخ ہے۔ مگر سردست امت مسلمہ میں جن مقدس شخصیات، جو اسلام میں اساسی حیثیت رکھتی ہیں، ان کے حوالے سے جو تاریخ کی آڑ میں زہر اگلا گیا ہے۔ ضروری ہے کہ اس کے متعلق کچھ اصول قلمبند کیے جائیں تاکہ تاریخ کے سانپ کچھ تریاق بھی ہوجائے۔ سردست دس اصول پیش خدمت ہیں۔

### (اصول نمبر:۱)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم واہل بیت رضی اللہ عنہم کے متعلق کسی بھی بصری وسمعی لٹریچر سے استفادہ سے قبل یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ دونوں طبقات مذہب کا موضوع ہیں۔ تاریخ کا موضوع نہیں۔ اگرچہ تاریخ اسلام کی بنیاد بھی انہی نفوس مقدسہ کی حیات مبارکہ سے اٹھی ہے۔ لیکن ان حضرات کو

پرکھنے کا آلہ تاریخی روایات نہیں ہیں، بلکہ شریعت اسلام کے وہ محکم اصول وضوابط ہیں۔ جنہوں نے ان ہستیوں کی آئینی حیثیت کو واضح کردیا ہے۔ لہٰذا کسی بھی کتاب میں اگر کسی صحابی کے متعلق ایسی بات کی جائے، جو اصول شریعت سے متصادم ہو، تو ترجیح بہرحال شریعت کو ہوگی اور اس تاریخی روایت کو یا تو تطبیق دی جائے گی، یا راجح مرجوح کو دیکھا جائے گا۔ اگر کسی طرح بھی بات نہ بنے تو اس روایت کو چھوڑ کر اصل الاصول کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

## (اصول نمبر:۲)

زہر اور کشتہ زہر کے فرق کو ملحوظ خاطر رکھا جائے گا

ایک گناہ جب عام آدمی کے نامہ اعمال میں ہو تو انتہائی نقصان دہ ہے۔ جب تک وہ حین حیات توبہ نہ کرلے اور اللہ اسے معاف نہ کردے۔ وہ گناہ ایسا زہر ہے جو دنیا وآخرت کو برباد کرنے والا ہے۔ لیکن جب ظاہری طور پر ویسا ہی گناہ کسی صحابی یا اہل بیت کے نامہ اعمال میں نظر آئے، تو اسے گناہ نہیں کشتہ گناہ سمجھا جائے گا۔ جس طرح شنگرف تو نقصان دہ زہر ہے۔ لیکن کشتہ شنگرف انتہائی مجرب دوا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم واہل بیت رضی اللہ عنہم کو آزمائش کی بھٹیوں میں ایسا کندن بنایا کہ ان کے گناہوں کو بھی نیکیوں سے بدل دیا۔ ’’**اولئك يبدل الله سيا تهم حسنٰت**‘‘ یہ وہ طبقہ ہے، جن کے گناہوں کو بھی نیکیوں سے تبدیل کردیا گیا ہے۔ لہٰذا کسی صحابی کے بظاہر گناہ کا واقعہ کسی تاریخ یا حدیث کی کتاب میں پڑھ کر ان مقدس ہستیوں کے بارے میں بدگمان نہ ہو۔

## (اصول نمبر:۳)

جرح وتعدیل کے مسلمہ اصولوں کو مدنظر رکھا جائے گا

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم واہل بیت رضی اللہ عنہم کے متعلق کسی بھی مؤرخ یا محدث یا محقق کی جرح کو اہمیت دیکر کوئی رائے قائم کرنے سے بیشتر محدثین کے اس اصول کو مدنظر رکھا جائے۔ جو انہوں نے اجلّہ ائمہ حدیث، ائمہ فقہ اور امت کی مقتدر ہستیوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے۔ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب قاعدہ فی الجرح والتعدیل میں فرماتے ہیں: ’’**ان من ثبت عدالته وامامته وكثر مادحوه، مذكوره، وندر جارحوه وكانت هناك قرينة دالة علىٰ سبب جرحه من تعصب مذهبى او غيره فانا لانلتفت الىٰ الجرح فيه ويعمل فيه بالعدالة (قاعدة الجرح والتعديل ص۹ ص۱۰، دراسات فى الجرح والتعديل ص ۱۹۰)**‘‘

جس شخص کی امامت وعدالت ثابت ہوجائے اوران کی مدح کرنے والے کثیرلوگ ہوں اورجرح کرنے والے بہت تھوڑے سے لوگ ہوں اور یہاں پرایک قرینہ بھی موجود ہو کہ یہ جرح تعصب مذہبی کی وجہ سے یا کسی اور (عناد) کی وجہ سے کی جارہی ہے، تو ہم ایسی جرح کی طرف توجہ نہیں کریں گے۔ ہم اس میں عدالت ہی کو لازم پکڑیں گے۔ اس اصول کی روشنی میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم واہل بیت رضی اللہ عنہم کی جماعت کو اگر دیکھا جائے، تو یہ وہ طبقہ ہے، جن کی عدالت وثقاہت کی گواہی خود ذات باری تعالیٰ نے دی ہے۔ ’’**اولئك هم الراشدون، اولئك هم المفلحون، رضى اللّٰه عنهم و رضوا عنه**‘‘ کی وہ مقدس دستاویزات جو کریکٹر سرٹیفکیٹ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس طبقہ کو عطاء فرمائی ہیں۔ ان کی روشنی میں پوری امت مسلمہ کا اجماعی فیصلہ ہے کہ ’’**ان الصحابة كلهم عدول بتعديل اللّٰه ورسوله لهم**‘‘ (دراسات فی الجرح والتعدیل ص۱۶۷) کہ سب صحابہ عادل ہیں اللہ اوراس کے رسول کی تعدیل کی وجہ سے۔

اس لئے اگر کسی بھی کتاب میں، چاہے اس کا مصنف علم وتقویٰ کے کتنے ہی بلند معیار پر کیوں نہ ہو۔ اگر کسی بھی صحابی کے متعلق اس میں کوئی ایسی بات پائی جائے، جس سے اس صحابی کی عظمت شان کو بٹہ لگتا ہو، تو ایسی روایت کا صحیح محمل تلاش کیا جائے گا۔ تاکہ تطبیق ہوسکے یا پھر اُسے منسوخ قرار دیا جائے گا۔ اس لئے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا فیصلہ قطعی ہے اور تاریخی روایت محض ظنی اور تخمینی ہیں۔ ظن کبھی حق کے مقابل نہیں ٹھہر سکتا۔ اس لئے امام ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم واہل بیت رضی اللہ عنہم کے متعلق بدگوئی کرنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: ’’**اذا ريت الرجل يتقص احداًمن اصحاب رسول اللّٰه ﷺ فاعلم انه زنديق وذالك ان الرسول عندنا حق والقرآن حق وانما ادّا ى الينا هذالقرآن والسنة الصحابة وهؤلٰه يريدون ان يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة**‘‘ (الکفایۃ ص۴۹)

جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو صحابہ میں سے کسی ایک کی شان کو گھٹا رہا ہو، تو جان لو کہ یہ شخص زندیق ہے۔ اس لئے کہ ہمارے رسول ﷺ برحق ہیں اور ہمارا قرآن برحق ہے۔ یہ قرآن وسنت ہمیں صحابہ ہی نے پہنچائے ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں یعنی صحابہ کو مجروح کرکے ہماری کتاب وسنت کو باطل کردیں۔ بدقسمتی سے تاریخ کا قلمدان عموماً اسی طبقہ کے ہاتھ میں رہا، جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اوراہل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا تھا۔ صحابہ کے ہاتھوں میدان جنگ کی شکست کا بدلہ اس نے تاریخ نویسی کے میدان میں لیا اور گواہان نبوت کی ایسی

کردار کشی کی کہ شرم وحیاء بھی سر پیٹ کر رہ گئی۔ لہٰذا صحابہ کی شان کم کرنے والی بات کہیں سے بھی ملے، اس کو دل و دماغ میں ہرگز ہرگز جگہ نہ دی جائے اور تعدیل والے اصول کو مدنظر رکھا جائے۔

## (اصول نمبر:۴)

### مصنف و مؤرخ کے یوٹرن اور الفاظ استدراک و تشریح سے احتیاط کی جائے

بسا اوقات سوانح نگار کسی مقدس شخصیت کے حالات زندگی ایسے عمدہ انداز سے قلمبند کر دیتا ہے کہ قاری پر سحر طاری کر دیتا ہے۔ لیکن اچانک مصنف کا قلم یوٹرن لیکر سابقہ سارے وثیقے پر پانی پھیر دیتا ہے۔ مثلاً مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں جانے والے لشکر کے سالار حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ جب تک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نہ پہنچ جائیں حملہ نہ کرنا۔ مگر حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے حملہ کر دیا اور ناکام ہوئے۔ اب اس واقعہ کو ایک تاریخ نگار نے یوں لکھا کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ انتہائی جری اور بہادر تھے۔ لشکر کے سالار بنے اور مسیلمہ کے مقابلے میں پہنچے۔ لیکن فتح کا تاج اکیلے اپنے سر پر باندھنے کے شوق میں حملہ کر دیا اور منہ کی کھائی۔ (تاریخ ملت)

اس جملہ میں حرف ''لیکن'' کے بعد پایا جانے والا زہر ایمان کی زمین پر زہر کی تخم ریزی کے ماسوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ کیا یہ مناسب نہ تھا کہ اس بات کو یوں لکھا جاتا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے جب ختم نبوت کے دشمن کو اپنے سامنے دیکھا تو غیرت ایمانی سے ایسے مغلوب الحال ہوئے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نصیحت یاد نہ رہی اور دشمن رسول پر ٹوٹ پڑے۔ مگر تدبیر کی تشنگی سے نتیجہ فتح کے ماسواء نکلا۔

اس لئے کتب سیرت و تاریخ اور سوانح نگاری کے مطالعہ کے دوران جہاں بھی ''گویا کہ، چونکہ، چنانچہ، لیکن، مطلب یہ ہے کہ، وغیرہ'' کے الفاظ آجائیں فوراً چوکس ہو جائیں کہ ممکن ہے کہ آگے ایسی گھاٹی ہو، جس میں گر کر ایمان سلامت نہ رہے۔ ایسے الفاظ پر محتاط ہونا تاریخی زہر سے محفوظ رکھے گا۔ ورنہ یہ ایسی اندھیری کھائی ہے، جہاں گرتے تو کئی دیکھے گئے ہیں، مگر واپس نکلتا کوئی نہ دیکھا گیا۔

## (اصول نمبر:۵)

### مُصنَّف سے پہلے مُصنِف کو پڑھنا

تالیف سے پہلے مؤلف اور تصنیف سے پہلے مُصنِف کے پس منظر پیش منظر اور تہہ منظر

کو جاننا ضروری ہے۔ اس لئے کہ بازار میں تصنیف نہیں مُصنِف بکتا ہے۔ بعض اوقات تصنیف بہت عمدہ، دیدہ زیب اور انتہائی معلوماتی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے اندر ایسا (Slow Poison) سست زہر چھپا ہوا ہوتا ہے کہ قاری کو دین و دنیا میں سے کہیں کا نہیں چھوڑتا۔ اس لئے نہ تو ہر کتاب اس قابل ہوتی ہے کہ اُسے پڑھا جائے اور نہ ہر صاحب قلم اس قابل ہے کہ اس کی تحریر کو صحیفہ آسمانی سمجھ کر قبول کر لیا جائے۔ ہر طرح کا لٹریچر پڑھنے کو آپ ﷺ نے بھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل کتاب میں سے کسی کی کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے تو آپ ﷺ شدید خفاء ہوئے اور ارشاد فرمایا: ''**لوان موسیٰ کان حیاً ما وسعہ الّا ان یتبعنی**'' (مسند احمد رقم ۱۵۱۵۶، سنن دارمی رقم ۴۴۹)

''اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری ہی پیروی کرتے۔''

اس لئے ہر پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ دیکھے کہ کیا پڑھ رہا ہے؟ کسی اہل علم واہل اللہ سے مشورہ کر لے۔ کیونکہ اگر تریاق کھائے بغیر سانپوں سے کھیلے گا تو نتیجہ انتہائی بھیانک ہوگا۔ بہت سے اصحاب قلم اپنا خاص ایک تاریخی پس منظر رکھتے ہوتے ہیں۔ اس لئے بہت ہی عمدہ اسلوب میں مقدس شخصیات کی انتہائی قبیح منظر کشی کرنا، فساد عالم کا ایسا منظر پیش کرنا کہ بندہ اس دور کے اہل اللہ کو اس کا ذمہ دار ٹھہرانے پر مجبور ہو جائے اور ساتھ ساتھ اپنی غیر جانبداری کا بھرم قائم رکھنا، یہ بعض مصنّفین کا خاص طرز ہوتا ہے۔ مثلاً جنگ جمل، جنگ صفین کے پس پردہ عوامل کو جانے بغیر محض اسے اقتدار کی لڑائی قرار دینا باغ فدک کی بحث کو چھیڑ کر ان ہستیوں کو موردالزام ٹھرانا، جنہوں نے اپنا تن من دھن خاندان نبوت کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے یہ بات ذھن میں رہے ''**کلاًّ وعداللہ الحسنیٰ**'' کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ کا بھلائی کا وعدہ ہے۔ اس لئے کذاب راویوں کی روایتوں، تاریخ نویسیوں کے نوشتوں اور خرافہ سازوں کی خرافیوں سے اپنے ایمان کو بچانے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ ہر کتاب کا مطالعہ نہ کیا جائے اور نہ ہر قسم کے واعظ کا وعظ سنا جائے۔ الّا یہ کہ کسی کا نام وکام اہل حل وعقد کے ہاں درجہ استناد تک پہنچا ہوا ہو۔

## (اصول نمبر:۶)

### تنقید اور حق تنقید کا یوسفی اصول

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے: محض تنقید کو دیکھ کر ہی راستہ نہیں بدل لینا چاہئے، بلکہ نقاد کی حیثیت کو بھی دیکھ لینا چاہئے کہ آیا اسے یہ تنقید

کرنے کا حق بھی ہے یا نہیں۔ محض کسی کا عالم و فاضل محقق یا پروفیسر ہونا اس بات کی سند نہیں ہے کہ وہ جس کی چاہے پگڑی اچھال دے اور جو کچھ اِدھر اُدھر سے سنے، بلا تحقیق عوام میں پھیلا دے۔ حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ''**کفٰی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع**'' (مسلم شریف رقم ۵، سنن ابی داؤد ۴۹۹۲)

''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنی بات ہی کافی ہے کہ جو کچھ سنے اسے آگے بیان کرنا شروع کر دے۔ اس لئے ہر نقاد کا نقد قابل اعتماد نہیں ہوتا۔''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ''**کل رجل ثبت عدالته لم یقبل فیه تجریح احدٍ**'' (دراسات فی الجرح والتعدیل ص ۶۱)

جس شخص کی عدالت ثابت ہو، اس کے متعلق کسی کی جرح و تنقید معتبر نہیں ہے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم و اہل بیت رضی اللہ عنہم کی عدالت و ثقاہت تو نصوص سے ثابت ہے۔ لہٰذا محض کسی کا بعض ضعیف، کذاب، متروک، یا متساہل روات کی بناء پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو خلافت و ملوکیت کے خود ساختہ کٹہرے میں کھڑا کرنا امانت و دیانت کا خون کرنا ہے۔ بدگمانی کی تھوڑی سی چنگاری معلومات و تحقیقات کے خرمن کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔

## (اصول نمبر: ۷)

### لغزشوں کو متعلقہ شخصوں تک محدود رکھے اور اسے مذہب کے لئے اصل الاصول نہ بنائے

جہاں گیری اور جانبانی میں کچھ ایسی باتیں ہو جاتی ہیں، جنہیں خطاء و لغزش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض سیرت نگار اور سوانح نگار کسی فرد، چاہے وہ حاکم ہو یا محکوم، اس کی غلطی کو باقاعدہ آئینی شق بنا دیتے ہیں اور اس پر اپنے مذہب اور اخلاقیات کا خیمہ لگاتے ہیں اور اسے بنیاد بنا کر پورے مذہب کو ڈائنامیٹ کرنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں۔ یورپی و فارسی مؤرخین، متعصبین کی یہی اخلاقی کمزوری ہے کہ وہ بادشاہوں کی غلطیوں کو اسلام کی بنیادی غلطیاں سمجھ کر عربدہ نویسی شروع کر دیتے ہیں۔ اگر وہ شخص تفردات اور غلطیوں کو تعصب کی عینک اتار کر دیکھتے تو انہیں اسلام میں کوئی خامی نظر نہ آتی۔ لہٰذا قاری کو بھی چاہئے کہ شخصی معاملات کو اس شخص معین تک ہی محدود رکھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی لئے تو ایسے معاملات میں بہت حساس تھے اور کسی کو تفرد اختیار نہیں کرنے دیتے تھے۔ مبادا ان کی یہ ذاتی حیثیت سے کی جانے والی تھوڑی سی غلطی آئندہ نسل کے لئے باقاعدہ قانونی شق نہ بن جائے۔ ایک دفعہ جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیت اللہ کا طواف فرما رہے تھے، تو ان کے احرام پر رنگ دیکھ کر ان سے پوچھا کہ کیا یہ رنگ دیا ہوا احرام ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ

نہیں اے امیر المؤمنین! یہ تو ویسے احرام کو سرخ مٹی لگ گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''انکم ایھاالرھط ائمۃ یقتدی بکم الناس'' (موطا امام مالک حدیث نمبر ۹۰۹)

اے جماعت صحابہ تم وہ لوگ ہو جن کی لوگوں نے پیروی کرنی ہے۔ یعنی ایسی شبہ والی چیز سے بھی بچو، جس سے بعد والے غلط راستے پر چل پڑیں۔ مؤرخین اور سیرت نگار اگر راہ راست پر نہ ہوں تو وہ تو شخصی غلطیوں کو بڑھا چڑھا کر دین کا مسلمہ اصول ثابت کرنے کی کوشش کریں گے ہی، لیکن قاری کتاب کو ہوش و حواس قائم رکھنے چاہئیں اور ایسی باتوں کو دل میں جگہ دینے سے گریز کرنا چاہئے۔

## (اصول نمبر:۸)

### اصول تنقیح و تزکیہ شہود میں اہل فارس، اہل مغرب اور اہل اسلام کی حدود اور طریقہ ہائے تفتیش و تحقیق کا خیال رکھنا

ہر مورخ پر کوئی نہ کوئی رنگ غالب ہوتا ہے۔ یا تو وہ اپنے عہد کا مرثیہ خواں ہوگا، یا ہجو بیان کسی خاص نسل و تہذیب کا علمبردار ہوگا، یا مخصوص مقاصد کا آلہ کار۔ بظاہر تو وہ مقدس پیشواؤں کی تاریخ بڑے عمدہ پیرائے میں جاذب نظر و قلب عنوان کے ساتھ لکھے گا۔ لیکن اس کے اصول تنقیح مختلف ہونے کی وجہ سے اس کی بیان کردہ سیرت و تاریخ کا اثر بھی قاری پر مختلف ہوگا۔

جس طرح اہل فارس حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدظنی اس لئے رکھتے ہیں کہ ان کی کئی ہزار سالہ آمریت کو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسلام کے قدموں پر گرا دیا تھا۔ اہل مجوس کی حکومت کو اسلامی قلمرو کا حصہ بنا دیا تھا۔ اس لئے اس طبقہ نے جب اہل بیت رضی اللہ عنہم کا فرضی لیبل استعمال کر کے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایسی تاریخ مرتب کی کہ تاریخ ہی مسخ کر کے رکھ دی اور ان کے نزدیک سب سے بہتر تزکیہ شہود اتنا ہی ہے۔ ''بسند معتبر منقول است'' کہ راوی کہتا ہے یا یہ بات معتبر سند سے منقول ہے۔ الخ! اور تھوڑی سی بھی فہم فراست رکھنے والے طالب حق کبھی اتنی سی بات سے مطمئن نہیں ہو سکتا کہ راوی کہتا ہے جب تک اس راوی کے مکمل کوائف اور ثقاہت ثابت نہ ہو جائے۔

اہل مغرب جو ظہور اسلام سے قبل جہالت کی گھٹا ٹوپ وادی تیہ میں حیران سرگرداں پھر رہے تھے۔ جب انہیں اسلام کی برکت سے کچھ شعور ملا، تو انہوں نے افواہوں کو خبر اور خبروں کو تاریخ بنا دیا۔ تو ثقہ رجال تو درکنار بدوں رجال ہی تاریخ کے نمک سے سفینے بنا کر دریاؤں میں اتار دیئے۔

مارگولیتھ کی کتاب ''محمد'' اور ''سخاؤ'' نولدیکی مسٹر پامر اور گولڈزیہر کی تصانیف چیخ چیخ

کر بتا رہی ہیں کہ ان سب تاروں کی صدا ایک ہی صدا ہے۔ کچھ غلط فہمیاں، کچھ جہالت، کچھ تعصب اور باقی سب ہیچ، اہل یورپ مورخین اور سیرت نگار ایسی جگہ پر کھڑے ہیں، جہاں انہیں دکھائی تو سب دیتا ہے، مگر سجھائی کچھ نہیں دیتا۔ ان سب کے برعکس اسلام نے دنیا کو تحقیق و توثیق رجال کا ایسا فن دیا ہے کہ حق باطل نکھر کے سامنے آجاتا ہے۔ رواۃ حدیث کی چھان بین اور تلاش حقیقت تک پہنچنے کے لئے ایک ہی حدیث یا واقعہ کو کم و بیش سو سو اسناد سے جمع کرنا۔ تاکہ کسی طرف سے اس میں جھول نہ رہ جائے۔ یہ صرف اسلامی محدثین و مورخین ہی کا کارنامہ ہے۔ بلکہ اہل علم جانتے ہیں، محدثین اس حدیث میں اپنے آپ کو یتیم سمجھتے ہیں۔ جن کی ۱۰۰ سے زائد اسناد نہ ہوں۔

ابو اسحاق ابراہیم بن سعید الجوہری ارشاد فرماتے ہیں: ”**کل حدیث لم یکن عندی من ماتہ وجہ فانا فیہ یتیم**“ (میزان اعتدال ج ۱ ص ۳۵، دراسات ص ۲۸)

ہر وہ حدیث جس کی میرے پاس ۱۰۰ سندیں نہ ہوں، میں اس میں خود کو یتیم سمجھتا ہوں۔ یہی وہ طرز ہے جو اسلام اور مسلمانوں کو دوسرے مذاہب اور قوموں سے جدا کرتا ہے کہ ہماری تاریخ مجہول راویوں سے بنائی گئی ریت کی دیوار پر قائم ہے اور نہ ہی افواہوں کی گرد میں اڑنے والے پتنگوں کی طرح بے وقعت ہے۔ لہٰذا اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ پڑھتے ہوئے اس بات کا لحاظ رکھے کہ مجہول النسب مورخین اور سیرت نگاروں کی زلہ ربائی کو اور افواہوں کی بنیاد پر کی گئی نظر غائی کو حقیقت نہ سمجھے اور تلاش حق میں اہل حق سے رجوع کرے۔

## (اصول نمبر:۹)

### تعمیر اور تعمیر نو (کنسٹرکشن اور ری کنسٹرکشن) کے فتنے میں مبتلا نہ ہو

سابقہ اقوام و مذاہب کی اخلاقی زبوں حالی کا ایک بڑا سبب، جسے ان کی تباہی کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے۔ وہ تعمیر اور تعمیر نو کا بے ہنگام فتنہ ہے۔ اپنی مذہبی روایات کو انہوں نے عصر حاضر کے چیلنجز اور ترقی پذیر انسانیت کے تقاضوں سے نمٹنے کے لئے خیر آباد کہہ دیا، یا تحقیق جدید کے نام پر سابقہ تحقیقات میں تشکیکات کی پیوند کاری کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اقوام اپنے مرکز سے کٹ کر کٹی ہوئی پتنگ کی طرح تاریخ کے کوڑا دان کا حصہ بن گئی۔ یہود و نصاریٰ جو کہ ایک معتبر مذہبی پس منظر رکھتے تھے۔ ان کا مذہب منظر نامہ سے غائب ہو گیا اور جریدہ عالم پر ان کی بے روح جانیں رہ گئیں۔ یہ سب آخر کیسے ہوا؟

ان کو تعمیر نو کے مرض نے جکڑ لیا تھا۔ مختلف العقول لوگوں کی عقلوں سے داد تحسین وصول کرنے کے شوق میں انہوں نے اپنی ہر اس بات کو مذہب بنا لیا جو بظاہر دلکش اور انسانی عقول

کے لئے تسلی بخش تھی۔ پھر وہی ہوا، نہ قافلے رہے نہ ساربان نہ اونٹ رہے نہ حدی خواں۔

اب یہی فارمولہ ان عقل گزیدہ ودم بریدہ سگان استشراق نے اسلام کے ساتھ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ان روایات سے کنارہ کش ہونے کی صدا بلند کی۔ جو محض عقل خام کے بدنام معیاروں پر پوری نہیں اترتی تھی۔ ان کی نظر میں کبھی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر شادی کے لئے موضوع نہیں تھی۔ کبھی حدیث کا ذخیرہ ایک غیر ضروری بوجھ تھا۔ کبھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثیر روایات حذف تنقید تھی۔ کہیں فقہا عظام کی مساعی جمیلہ مورد طعن۔ ایک ہی سر تھی جسے سب راگوں میں گایا جا رہا تھا۔

پورے دین اسلام کی تعمیر نو ہونی چاہئے۔ ذخیرہ احادیث سے صحیح وضعیف کو جدا جدا کرنا چاہئے۔ ان اقوال کو ختم کر دینا چاہئے، جو عصر حاضر کی عقل کے مطابق نہیں اور ہر اس واقعہ کا انکار کر دیا جائے، جو ان کی ذہنیت میں بری شکل رکھتا ہے۔ اس کنسٹرکشن اور ری کنسٹرکشن کے فتنے نے کئی قوموں کو رخ قرطاس سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا تھا۔ کاش ہرنئی آواز پر لبیک کہنے سے پہلے وہ جان لیتے کہ ؎

ہے باعث تزین چمن خار بھی خس بھی

## (اصول نمبر:۱۰)

کوئی بھی کتاب لکھی جائے یا پڑھی جائے تو مکمل ذہنی بلوغ اور قلبی رسوخ سے لکھی پڑھی جائے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور صراط مستقیم کی دعا کی جائے۔ قرب قیامت قلم کا فتنہ عام ہوگا، جیسا کہ حدیث مبارکہ پہلے گزر چکی۔

اس پرفتن دور میں سب سے بڑی استقامت اور جواں مردی یہ ہے کہ بندہ زبان قلم کے فتنوں سے خود کو بچالے اور تحقیق وتجسس اور مطالعہ کی دنیا میں ٹھوکر کھانے سے محفوظ رہے۔ دجال کے فتنہ کا مقابلہ مادیت سے نہیں، روحانیت سے ہوگا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ قرب قیامت سیدنا مسیح علیہ السلام کو ان فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نازل فرمائیں گے اور ان کا نام ہی روح اللہ ہے۔ لہٰذا اس باریک سے نقطہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے محض ظاہری اور کتابی معلومات تک محدود نہ رہے۔ بلکہ تزکیہ نفس کے لئے اہل اللہ میں سے کسی شیخ جو کہ متبع سنت ہو، اس سے اپنا تعلق مظبوط کر لے اور ہر کتاب پڑھنے سے پہلے کسی صاحب علم وعرفان سے مشاورت کرے اور خصوصی طور پر یہ دعا کرے۔ ''اللھم ارنی الحق حقاً ورزقنا اتباعه و ارنی الباطل باطلاً ورزقنا اجتنابه به آمین بجاه النبی الامین''

محمد رضوان عزیز عفی عنہ

# فصل الثانی

## جماعت المسلمین تعارف و تجزیہ

اسلام اور امت مسلمہ میں انتشار اور تفریق کا بیج بونے والی جماعت ''جماعت المسلمین'' کا پس منظر بیان کیا جاتا ہے، تاکہ پہلے اس کا تعارف ہو جائے۔ پھر بعد میں اس کے باطل عقائد و نظریات کا مکمل رد ہو۔ مثل مشہور ہے کہ مصیبت ہمیشہ اکیلی نہیں آتی ساتھ کئی مصیبتیں اور بھی لاتی ہے۔ اسی طرح برصغیر پاک و ہند کی بدقسمتی ہے کہ یہاں ۱۶۰۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں وارد ہونے والا انگریز اکیلا نہیں آیا، بلکہ ان تمام لوازمات سے لیس ہو کر آیا جو کسی ملک یا مذہب کی بیخ کنی کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ پس فرنگی جس طرح اپنی شاطرانہ پالیسیوں کے ذریعے ارض ہند پر قابض ہوا، اس طرح اہل ہند کے دل و دماغ کو بھی اپنا باجگزار بنالیا۔ لہٰذا بعض ہندی مسلمان دام افرنگ کے اسیر ہو کر ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے، انگریز نے اپنے ناجائز اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے ایک ایسی پالیسی بنائی تھی، جس کا نام تھا ''ڈیوائڈ اینڈ رول'' یعنی لڑاؤ اور حکومت کرو۔ کیونکہ انگریز جانتا تھا، جب تک مسلمانوں میں نظریہ امت اور نظریہ جہاد موجود ہے، ذریت ابلیس اپنے ابلیسی مشن کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتی۔ لہٰذا سب سے پہلے ان دو نظریات کو ڈائنامیٹ کرنے کی سعی نامشکور کی گئی۔ یہ امت مسلمہ کی بدقسمتی کا پہلا وقت تھا، جب برطانوی سائبان اسلاف بیزاری کے نظریات کو پروان چڑھایا گیا اور امت کو اپنے اسلاف و اکابر سے بدگمان کرنا شروع کیا اور وحدت امت کو پارہ پارہ کرنے کا یہ مشن ایک حد تک کامیاب بھی ہوا۔ پھر اسی دشت بے آب و گیاہ کے صحرانوردوں نے اپنے حصے کی بدبختی کو مزید پھیلایا اور مرزا قادیانی لعنۃ اللہ علیہ نے دعوی نبوت کیا۔ امت انتشار کا شکار ہوئی۔ قادیانی ملعونوں کا جو حشر مسلمانوں نے کیا اسے دیکھ کر مزید کسی میں دعوی نبوت کی ہمت تو پیدا نہ ہوئی، مگر مسعود احمد بی۔ایس۔سی نے ۱۳۸۵ھ بمطابق ۱۹۶۴ء میں جماعت المسلمین کی بنیاد رکھ کر امام مفترض الطاعۃ کا دعوی کیا اور یہی وہ شخص ہے، جس کے عقائد و نظریات کی تاریکیوں کو مجھے نور حق کی ضیاء پاشیوں سے پاش پاش کرنا ہے۔ (ان شاء اللہ) اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت و قدرت سے اس مشن میں کامیاب فرمائے۔

ہے افق سے اک سنگ آفتاب آنے کی بات ٹوٹ کر مانند آئینہ بکھر جائے گی رات

## بانی جماعت مسعود احمد بی. ایس. سی

ڈاکٹر مسعود احمد ۱۹۱۵ء میں ہندوستان میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آگرہ یونیورسٹی میں بی.ایس.سی کا امتحان دیا اور تقسیم ہند کے بعد پاکستان کے حصہ میں آنے والی دیگر بدبختیوں اور مصیبتوں کی طرح یہ بھی ایک مصیبت بن کر ارض پاک پر وارد ہوا، اور شومئی قسمت سے پاکستان سکریٹریٹ میں نوکر بھرتی ہوگیا۔ شوریدگی طبع سے مجبور ہوکر وہ ملازمت بھی چھوڑ دی اور مسلک اہل حدیث میں شمولیت اختیار کرلی اور ان سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر تکفیر مسلمین کا طرز اپنایا اور بعد ازاں ''جماعت المسلمین'' کی بنیاد رکھی۔ جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

موصوف ۱۴ر فروری ۱۹۹۷ء بمطابق ۶ر شوال ۱۴۱۷ھ بروز جمعہ فوت ہوا، اور بعد میں زمام اقتدار اشتیاق احمد جیسے رنگین مزاج بزرگ کے ہاتھوں آئی۔ جس کے باعث جماعت المسلمین کئی حصوں میں بٹ گئی۔

۱۲۴۶ھ ۱۸۲۵ء میں منصۂ شہود پر نمودار ہونے والے اس نومولود فتنہ اسلاف بیزاری نے دین میں تحریف والحاد کا وہ طوفان بدتمیزی بپا کیا ہے کہ امت مسلمہ ابھی ایک فتنہ کی سرکوبی سے فارغ نہیں ہوئی ہوتی کہ یہ نیا دردسر بنا دیتا ہے اور اس فتنہ نے ہزاروں لوگوں کو آوارگی مذہب کے نام پر اساطین امت سے کاٹ کر جہنم کا ایندھن بنا دیا ہے۔ یوں یہودیت اور عیسائیت نے اسلام سے اپنی دشمنی کا خوب بدلہ لیا۔ خود تو برصغیر سے چلے گئے، مگر ارض ہند پر ایسی کانٹوں کی فصل کاشت کر گئے، جو ہمیشہ رہروان حق کے پاؤں چھلنی کرتی رہے گی۔ غلام احمد قادیانی کو مسند نبوت پر ڈاکہ ڈالنے کی ترغیب دینے والا حکیم نورالدین پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ، سر ظفر اللہ قادیانی کا باپ، معجزات وکرامات کا منکر سرسید احمد خان، منکر حدیث اسلم جیراج پوری، غلام احمد پرویز، بانی فرقہ مسعودیہ، مسعود احمد اسی شجرہ نومولود کے برگ بے ثمر ہیں۔ مسعود احمد بی.ایس.سی، یہ شخص پہلے بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا تھا۔ پھر غیر مقلد ہوگیا۔ اس نے جماعت غرباء اہلحدیث میں شمولیت اختیار کی۔ سابقہ کلرک ہونے کی وجہ سے اردو کتابیں پڑھ لیتا تھا اور یہی اس کا علمی ماخذ تھا۔ مگر جماعت اہلحدیث میں شمولیت نے اس کی فطری کج روی میں اضافہ کردیا۔ اس شخص نے ایک فرضی مناظرہ بنام ''تلاش حق'' تصنیف کیا۔ جس کا مقصد جماعت اہلحدیث پر اپنی نام نہاد علمیت کی دھاک بٹھانا تھا اور جماعت غرباء اہلحدیث نے اس رسالہ کو خود چھپوا کر تقسیم کیا۔ اہلحدیث اس

بات پر نازاں تھے کہ انہیں ایک قلم کار مل گیا تھا۔ اس داد تحسین کے بعد اس نے ایک اور کتابچہ ''التحقیق فی جواب التقلید'' تصنیف کیا۔ دین کی بندشوں سے بیزار طبقہ نے خوب داد دی اور حضرت صاحب خوشی سے پھول گئے ؎

کتنے کم ظرف ہیں غبارے چند سانسوں میں پھول جاتے ہیں

یہ حضرت صاحب بھی جامے میں نہ سمائے اور جماعت اہلحدیث میں امام وقت بن بیٹھے۔ جماعت غرباء اہل حدیث میں چونکہ سلسلہ امارت تھا، جس کے باعث مسعود احمد کے دل میں مچلتا ہوا شوق امارت ہمیشہ تشنہ تکمیل ہی رہتا تھا۔ لہٰذا انہوں نے ۱۹۶۴ء میں ایک ضمنی فرقہ جماعت المسلمین اہلحدیث کی بنیاد رکھی اور اہلحدیث کی لگائی ہوئی اضافی نسبت ختم کر دی۔ چنانچہ موصوف خود لکھتے ہیں: ''ہم نے جماعت کی بنیاد ۱۳۸۵ھ میں ڈالی اور یہ کہ ہمارا اس جماعت سے تعلق ہے۔ حالانکہ یہ الزام غلط ہے۔ وہ جماعت ختم ہو چکی ہے۔ ہمارا اس جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ایک فرقہ کی ذیلی جماعت تھی اور اب ہم فرقہ واریت سے تائب ہو کر مسلم ہو چکے ہیں۔''

(جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینہ میں ص ۵۵۵ سلسلہ اشاعت ۹۹)

اس جدید مسلم نے اسلام کے نام پر وہ گل کھلائے کہ ''بس رہے نام اللہ کا'' عقائد و اعمال میں اپنی باطل تحقیق اور فرسودہ نظریات کو نئے میک اپ کے ساتھ مزین کر کے چمن اسلام میں خزاں کا جال بچھا دیا اور تقسیم کار کا ایسا عمل شروع کیا کہ اس کے پیروکار بھی شاخ در شاخ تقسیم ہونے لگے۔ گویا ہر ایک کا زبان حال سے یہ نعرہ تھا۔ ''ہم چوں ما دیگرے نیست''

اسی طرح کی فرسودہ سوچ اور حیا باختگی نے ان کے ہر فرد کو ریت کے ذرات کی طرح علیحدہ کر رکھا ہے اور ان کا مشن اصلی کہ امت میں نظریہ امت واحدۃ ختم ہو جائے۔ وہ ان کے ہر فرد کا نصب العین ہے۔ ان عقل و خرد سے محروم اور علم فراست سے تہی دست حضرات جماعت المسلمین نے اصول و فروع میں امت مسلمہ سے ایسے ایسے اختلاف کیے کہ اب اصولی طور پر تو انہیں امت مسلمہ کا حصہ سمجھنا ہی مشکوک ہے۔ جن کی مقصد زندگی ہی بنائے اسلام کی تحریف ہو اور یہودیت و عیسائیت کے ایجنڈے میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ وہ کہاں اسلام کا خیر خواہ ہو سکتے ہیں۔ ان کے بہت سے عقائد ایسے ہیں جو امت مسلمہ کے کسی بھی مذہبی فرقہ سے میل نہیں کھاتے۔ مذاہب اربعہ کو یہ خلاف اسلام بتاتے ہیں۔ جس کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسے مجدد ملت فرماتے ہیں کہ: ''اب مذاہب اربعہ ہی سواد اعظم ہے اور مذاہب اربعہ سے نکلنا گویا سواد اعظم سے نکلنا ہے۔'' (عقید الجید مترجم ص ۶۲)

لیکن جماعت المسلمین والوں کے نزدیک یہ سب اسلام کے بالمقابل دوسرے گمراہ لوگ ہیں۔ بانی فرقہ مسعود احمد نے اپنی کتاب جماعت المسلمین'' (اپنی دعوت اور تحریک کے آئینہ میں ص۱۱۴) پر'' حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کو دین اسلام کے مقابل کے طور پر پیش کیا اور اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے ہوئے ان مذاہب حقہ کو اسلام کی ضد ظاہر کیا ہے۔

جماعت المسلمین ہو یا اس کی ذیلی جماعتیں اس دور کے تمام اہل الحاد سے بالعموم اور جماعت المسلمین سے بالخصوص گفتگو کرنے سے پہلے مندرجہ ذیل دس نکات پر عمل پیرا ہونے سے گفتگو نتیجہ خیز ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ! ذیل میں دس اصول قلمبند کئے جانے میں لہٰذا ہر گفتگو سے پہلے ان کا خیال رکھا جائے۔

## مناظرہ کے دس اصول

۱..... قرآن کریم اور حدیث مبارکہ سے فریقین اپنی اپنی دلیل خود لغت عربی میں بیان کریں۔

۲..... تقلید جماعت المسلمین والوں کے نزدیک شرک اور گمراہی کی جڑ ہے۔

(تلاش حق ص۵۱)

لہٰذا مقلد ان کے نزدیک مشرک ہوا۔ اس لیے کسی مقلد کا ترجمہ و تفسیر یا روایت شدہ حدیث پیش نہ کرنے دیں۔

۳..... قرآن و حدیث سے جماعت المسلمین کا متکلم جو دلیل پیش کرے۔ اس سے دلیل کی ایسی سند کا بھی مطالبہ کریں، جس میں کوئی مقلد راوی نہ ہو۔ تمام روات جماعت المسلمین کے مخصوص نظریات کے حامل ہوں۔

۴..... اصول تفسیر یا اصول حدیث بھی مقلدین کے پیش نہ کرنے دیں۔ بالخصوص لغت بھی کسی جماعت المسلمین کے فرد کی ہو۔ جو لغوی معنی کو صرف قرآن و حدیث سے ثابت کرے۔

۵..... جمہور کے مقابلہ میں شاذ واجب الترک ہے۔ لہٰذا جس طرف جمہور ہوں گے، ان کی اتباع کی جائے گی اور شاذ روایات و اقوال کو ترک کیا جائے گا۔

۶..... گفتگو سے قبل اصل مسئلہ کی وضاحت کروائیں اور منکر کا حکم تحریر کروائیں۔

۷..... اگر بفضل اللہ تعالیٰ فریق مخالف آپ کا موقف تسلیم کرلے تو اسی مجلس ہی میں تحریری توبہ کروالیں۔ مزید تحقیق کے نام پر فرار کا موقع نہ دیں۔

۸..... ایک ماہر علوم دینیہ کو ثالث مقرر کریں۔ جس کا فیصلہ جانبین تسلیم کریں۔

۹..... ایک مجلس میں ایک موضوع پر گفتگو کرلیں۔

۱۰..... تمام گفتگو کی ریکارڈنگ کا لازمی اہتمام کرلیں۔ اس لئے کہ گمراہ لوگ اللہ سے زیادہ ریکارڈنگ سے ڈرتے ہیں۔

## جماعت المسلمین کے عقائد

### جماعت المسلمین اور انکار افضلیت پیغمبر ﷺ

ان اصولی مباحث کے بعد اب جماعت المسلمین کے اس باطل نظریہ کا بیان کیا جاتا ہے، جس عقیدہ نے انہیں امت مسلمہ سے نکال کر ایک کوڑھ کے مریض کی طرح تعفن زدہ نظریات کی غلاظت کی ڈھیر پر پھینک دیا ہے۔ ان کا وہ نظریہ آپ ﷺ کے افضل البشر اور سید الکائنات ہونے کا انکار ہے۔ مسلمانوں میں موجود بیسیوں اختلافات کے باوجود آپ ﷺ کی افضلیت میں کسی مسلمان نے بھی آج تک کلام نہیں کیا۔ مگر مسلمانوں اور اہل اسلام کی راہ سے ہٹ کر ان جماعت المسلمین والوں کا عقیدہ کہ نبیوں کو آپس میں فضیلت نہ دو۔ کوئی نبی دوسرے نبی سے افضل نہیں اور اپنے اس نظریے کو کتاب وسنت میں تحریف کر کے تحفظ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''**لانفرق بین احد من رسله**'' کہ اللہ کے رسولوں میں فرق نہ کرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبیوں کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ (منہاج المسلمین ص ۵۷)

دراصل یہ نصرانیت کا مسلسل ناکامیوں کے بعد ایک ایسا وار ہے، جس کے ذریعے وہ نبی کریم ﷺ فداہ ابی وامی کی عزت وعظمت کو مسلمانوں کی نظر سے گرانا چاہتے ہیں۔ عیسائیت کی دشمنی، سرور کائنات ﷺ سے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اگر ہم یہود و نصاریٰ کی ان خباثتوں کا جو تاریخ کے سینے پر ثبت ہیں، ان کا مطالعہ کریں اور جماعت المسلمین اور دیگر بعض فرق باطلہ کی دسیسہ کاریوں پر نگاہ دوڑائیں تو ہمیں پردہ سکرین پر ان اچھلتی کودتی پتلیوں کی ڈور کسی اور ہاتھ میں نظر آئے گی۔ وہی ہاتھ جنہوں نے سرور کائنات ﷺ کے جسد اطہر کو چرا کر ملت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا مذموم قصد کیا اور ناکامی کے بعد جسد اطہر کی حفاظت کے لیے تعمیر کیا

جانے والا گنبد خضراء گرانے کی مذموم کوشش کی۔ مگر بارگاہ الست سے ''واللہ یعصمک من الناس'' کے وعدہ کی تکمیل ہوئی اور گنبد خضراء محفوظ رہا۔ پھر ان باطل کے فرستادوں نے نیا رخ بدلا اور جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کا انکار کر کے انہیں بے جان لاشہ قرار دیا گیا۔ (معاذ اللہ) مگر امت کو ماسواء چند ناعاقبت اندیشوں کے اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ سے بھی محفوظ فرمایا۔ اب پے در پے شکستوں سے زخم خوردہ شیطانی لشکریوں نے سوچا۔ چلو اب آپ ﷺ کے افضل ہونے کا ہی انکار کر دیا جائے۔ تا کہ کچھ تو یورپیوں کا حق نمک ادا ہو سکے۔

کہوں کس سے کہ کیا ہے شب غم بری بلا ہے مجھے کیا برا تھا اگر مرنا ایک بار ہوتا

لہٰذا بالترتیب عیسائیت کی ان سازشوں کو بیان کیا جاتا ہے۔ جو امت مسلمہ کو منتشر کرنے کے لئے مختلف اوقات میں سرانجام دی گئیں۔

## پہلی سازش

مناظروں میں مسلمانوں سے پے در پے شکست کھانے کے بعد عیسائیوں نے سوچا کہ جناب رسالت مآب ﷺ کے جسد اطہر کو چرا کر یورپ لایا جائے۔ تا کہ مسلمانوں کی عقیدت کا مرکز ختم ہو جائے۔ اس فعل بد کے سرانجام دینے کے لئے دو عیسائی تیار ہو گئے۔ انتہائی انعام واکرام اور ترتیب دے کر انہیں مدینہ منورہ روانہ کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۵۵۷ھ کو پیش آیا۔ ان دونوں درندوں نے حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب مکان کرایہ پر لیا اور زمین دوز سرنگ نکالنا شروع کر دی۔ جب ان کی سرنگ حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب پہنچی، تو سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ بادشاہ مصر تھے اور نہایت متقی اور عبادت گزار شخص تھے۔ ان کو خواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ان نیلی آنکھوں والے کتوں سے محفوظ کرو۔ آپ ﷺ کا خواب میں آنا برحق ہے۔ لہٰذا شیطان آپ ﷺ کی شکل اختیار کر کے نہیں آ سکتا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے: ''ومن رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی'' (بخاری رقم الحدیث ۱۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۱۳۴، ابی داؤد رقم الحدیث ۵۰۲۳، ترمذی رقم الحدیث ۲۸۴۱، ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۴)

بادشاہ نے اپنے وزیر سے مشورہ کیا اور ڈاک کے گھوڑوں کے ذریعے فوراً مدینہ منورہ پہنچا اور اہل مدینہ کو جمع کیا۔ ان میں انعام واکرام کی تقسیم کی اور ساتھ ساتھ ہر ایک کے چہرے کو غور

سے دیکھنے لگا۔ مگر مطلوبہ افراد نہ مل سکے۔ مزید تجسس سے معلوم ہوا کہ وہ یورپی بزرگ انعام لینے نہیں آئے۔ وہ بہت ذاکر، شاکر اور فیاض ہیں۔ بادشاہ نے ان کے مکان کی تلاشی لی۔ سرنگ کا نشان مل گیا۔ پس قصہ مختصر بادشاہ نے ان دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر ڈالا اور آپ ﷺ کے روضہ مبارک کے گرداگرد پانی کی تہہ تک سیسہ کی مضبوط دیوار بنائی تاکہ دوبارہ کوئی شقی و بدبخت جسد اطہر کی طرف ناپاک ہاتھ نہ بڑھا سکے۔ یوں یہ سازش ناکام ہوئی۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۶۴۸)

## دوسری سازش

پہلی ذلت و ناکامی کے بعد عیسائیت نے دوسرا وار کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے قبروں کو پختہ بنانے سے اور اوپر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا اس حدیث مبارک کا سہارا لے کر مسلمانوں میں یہ تحریک چلائی جائے کہ قبروں پر عمارت کی تعمیر غیر شرعی فعل ہے۔ لہٰذا انہیں مسمار کرنا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ گنبد خضراء کی تعمیر غیر شرعی ہے اور یہ تحریک عرب میں پورے شد و مد سے چلائی گئی۔ نجدی حضرات دانستہ یا نادانستہ طور پر استعمال ہوئے۔ آپ ﷺ کے روضہ کا بھی قصد کیا۔ مگر چونکہ یہ موضوع نازک تھا، اس لئے ہندوستان کے علماء سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا گیا۔ پس ہندوستان سے علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے وکالت کا حق ادا کیا اور شاہ سعود کے سامنے دلائل و براہین سے ثابت کیا کہ روضہ اقدس عام لوگوں کی قبور کی طرح نہیں ہے، بلکہ عام امتی اور نبی کی قبر میں فرق ہوتا ہے۔ عام امتی کے جسم کی حفاظت مقصود بالذات نہیں۔ جب کہ نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک کی حفاظت مقصود ہے۔ لہٰذا سعودی حکومت نے گنبد خضراء سے کوئی تعارض نہیں کیا۔

## گنبد خضریٰ کی تاریخ

جب آپ ﷺ کا سانحہ ارتحال وقوع پذیر ہوا تو صحابہ میں اختلاف ہوا کہ آپ ﷺ کا جسد اطہر کہاں دفن کیا جائے۔ مسلمانوں کے قبرستان میں یا کوئی آپ ﷺ کی تخصیص ہے۔ تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''**سمعت من رسول اللہ ﷺ شیئا ما نسیته قال ما قبض اللہ نبیا الا فی الموضع الذی یحب أن یدفن فیه ادفنوه فی موضع فراشه**'' (موطا امام مالک ص ۲۲۰، ابن ماجہ ص ۱۱۷)

میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک بات سنی ہے۔ جسے بھولا نہیں ہوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کسی نبی کی روح قبض نہیں کرتا۔ مگر اس جگہ میں جہاں وہ دفن ہونا چاہتا ہو۔ لہٰذا جناب رسالت مآب ﷺ کو ان کے بستر کی جگہ پر دفن کیا جائے۔ چنانچہ حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں آپ ﷺ

کی تدفین ہوئی اور فقہ حنفی کی معتبر کتاب مراقی الفلاح میں عبارت کچھ اس طرح ہے: ''ویکرہ الدفن فی البیوت لاختصاصہ بالا انبیاءؑ قال الکمال لا یدفن صغیر ولا کبیر فی البیت الذی مات فیہ فان ذالک خاص بالانبیاءؑ بل یدفن فی مقابر المسلمین''

ترجمہ: گھروں اور کمروں میں میت کو دفن کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ انبیاء ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور کمال نے کہا اس گھر میں نہ چھوٹے نہ بڑے کو دفنایا جائے جس میں وہ مرا ہے۔ کیونکہ یہ انبیاء ﷺ کی خصوصیت ہے یا انبیاء ﷺ کے علاوہ عام لوگوں کو عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفنایا جائے۔ مندرجہ بالا حدیث مبارک سے بات واضح ہوئی کہ نبی کی قبر ہوتی ہی چار دیواری کے اندر ہے اور روضہ اطہر پر بھی اوّل ہی دن سے عمارت موجود تھی۔ جس پر نہ کسی نے نکیر کی نہ کفر وشرک فتوے صادر کئے۔

لہٰذہ پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گنبد خضراء کا تاریخی پس منظر، پیش منظر کو اجاگر کیا جائے۔ اس لئے کہ اس کا ذکر ہی سکون قلب وجگر ہے۔ اس کے بعد تیسری ناکام سازش کے خدوخال واضح کیے جائیں۔'' تاریخ مدینہ منورہ مصنف مولانا عبدالمعبود میں گنبد خضراء کی تاریخ پر بڑی تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ تاہم مختصر گنبد خضراء اور روضہ اطہر کی تعمیر وتزئین کو تاریخی حوالے سے دیکھتے ہیں: (۱) ۱۲ ربیع الاوّل گیارہ ہجری، مئی ۶۳۲ء بروز سوموار جناب رسالت مآب ﷺ عالم دنیا سے عالم برزخ میں منتقل ہوئے اور حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں محو استراحت ہوئے۔ جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۱۱۷، موطا امام مالک ص ۲۲۰)

۲۲ جمادی الثانی ۱۳ ہجری ۶۳۴ء کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی واصل بحق ہوئے اور حجرہ شریف میں دفن ہوئے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۵۲ طبقات)

یکم محرم ۲۴ھ ۶۴۵ء کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی آقا دو جہاں کے قدموں میں راحت گزیں ہوئے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۷۹۸)

بعد میں قبر مبارک پر موجود حجرہ مقدسہ کی تعمیر کا کام تھوڑا بہت جاری رہا۔ البتہ ۷۰۶ھ میں ولید بن عبدالملک کے عہد میں حجرہ شریفہ کی مشرقی دیوار گر گئی۔ اس وقت مدینہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ کے خوش نصیب معماروں کو بلا کر دیوار تعمیر کروائی۔ (وفاء الوفاء لسمہودی ج ۱ ص ۳۸۷)

بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حجرہ انور کی حفاظت کے لئے پانچ کونوں والی دیوار بنادی جو مسجد کی چھت تک بلند تھی۔ اس پر نہ چھت تھی اور نہ اس میں دروازہ تھا۔

(اخبار مدینہ ص ۱۳۸، ۱۴۰، وفاء الوفاج ۱ ص ۴۰۱)

۱۹۳ھ ۸۰۸ء میں خلیفہ ہارون الرشید کے گورنر ابوالبختر کے زمانے میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی چھت تعمیر و مرمت کے لئے اتاری گئی تو حجرہ انور کے چھت بھی منہدم تھی اور سات لکڑیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ لہٰذہ نئی لکڑیوں کے ذریعے اصلاح و مرمت کا کام مکمل کیا گیا۔ (وفاء الوفاء ج ۱ ص ۳۹۹)

۵۴۸ھ ۱۱۵۳ء میں وزیر جمال الدین بن زنگی رحمۃ اللہ علیہ نے حجرہ شریفہ کی تجدید کروائی اور دیواروں کے چاروں طرف قد آدم سنگ مرمر لگایا۔ انبوس اور صندل کی قیمتی لکڑی سے جالی بنوا کر مذکورہ پنج گوشہ احاطہ کے باہر نصب کروائی۔ تعمیر و تزئین کا حسین فریضہ ابوالغنائم البغدادی نے بطریق احسن پورا کیا۔ (اخبار مدینہ ص ۱۳۹، ۱۳۸)

اسی سال ایک اور واقعہ پیش آیا کہ حجرہ شریفہ سے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی گئی۔ جس کی حقیقت معلوم نہ ہونے پر قاسم بن محنہ الحسینی کو واقعہ کی اطلاع دی گئی۔ موصوف نے شیخ المشائخ رئیس الاتقیاء الشیخ عمر النسائی کو رسیوں کی مدد سے حجرہ شریف میں اتارا تو پتہ چلا کہ چھت اور دیوار کا کچھ پلستر کا حصہ گرا ہے۔ لہٰذا انہوں نے وہاں پہنچ کر صفائی کی اور اپنی ریش مبارک سے ان قبور مقدسہ پر جھاڑ دیا۔ (اخبار مدینہ ص ۴۲، معالم دارالحجرہ ص ۸۳ تاریخ مدینہ منورہ ص ۵۱۹)

عقل جب تک راہ اہل عشق پر آئی نہ تھی وسعتیں حاصل تھیں لیکن ان میں گہرائی نہ تھی

۸۸۸ھ، ۱۴۸۳ء میں سلطان قیتبائی نے پیتل کی نئی جالی بنوائی جو صناعی کا نادر نمونہ تھی۔ اس میں چار دروازے باب الرحمت، باب الوفود، مغرب کی سمت اور مشرق کی سمت باب الفاطمہ رضی اللہ عنہا اور شمال کی طرف باب التہجد بنایا۔ (رحلۃ الحجازیہ ص ۲۳۶)

۶۷۸ھ، ۱۲۷۹ء میں ملک منصور قلاوون الصالحی نے گنبد تعمیر کروایا۔ اس پر زرد رنگ کی پلیٹیں لگوائی۔ ۷۶۵ھ، ۱۳۶۳ء میں ملک اشرف شعبان بن حسین بن محمد عہد خلافت میں رنگ کی پلیٹیں اکھڑ جانے کی وجہ سے گنبد از سر نو تعمیر کروایا۔ (معلم دارالحجرۃ ص ۸۱)

۸۸۱ھ، ۱۴۷۶ء میں گنبد کی بعض لکڑیوں میں خلل آ گیا۔ جس کو الشمس بن الزمن نے درست کیا۔ ۸۸۶ھ، ۱۴۸۱ء میں دوسری مرتبہ مسجد اور گنبد تعمیر کیا گیا۔ جو پنج گوشہ دیوار کے گرد بنائے گئے ستونوں پر قائم تھا۔ لیکن اتفاق سے تعمیر کے ساتھ ہی گنبد میں شگاف پیدا ہوا۔ جس کو مصر

سے سفید چونا منگوا کراس کو بے حد مستحکم تعمیر کیا گیا۔۹۸۰ھ،۱۵۷۲ء میں سلطان سلیم عثمانی نے حجرہ مقدسہ پرانتہائی دلفریب گنبد تعمیر کروایااوراسے پتھروں سے سجایا۔ (تاریخ الحرمین ندوی)

۱۲۲۸ھ،۱۸۱۳ء میں سلطان محمد علی پاشا نے دوبارہ حجرہ مقدسہ کی تعمیر کروائی۔ ایک سونے کا شمع دان اور دو چاندی کے شمع دان حجرہ مقدس میں سجائے۔ تیرہویں صدی ہجری میں گنبد پر پھر شگاف نمودار ہوا۔جس باعث ۱۲۳۳ھ، ۱۸۱۸ء میں سلطان محمود بن سلطان عبدالحمید عثمانی نے نیا گنبد بنوایااوراس پر سبز رنگ کروایا۔جس کی وجہ سے گنبد خضراء کے نام سے مشہور ہوااور آج تک مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ یہ تو تھی آپ ﷺ کی قبر مبارک کی وہ خصوصیت جس کی بنا آپ ﷺ کی قبر مبارک پر عمارت شروع سے موجود تھی۔ مگر برا ہوا شیطان کا جو انسانوں کو راہ راست سے بھٹکا کرافتراق وانتشار پیدا کرتا ہے۔ آپ ﷺ کی وہ حدیث مبارکہ جو عام قبور کے متعلق تھی۔ ساری کی ساری روضہ اطہر پر فٹ کی گئی اوراپنے مزعومہ نظریہ کو ہی دین بنا کر پیش کیا گیا اور پوری امت کا ہمیشہ کا عمل قبر اقدس کی حفاظت اوراوپر عمارت کی تعمیر وتزئین کا عمل اپنی گستاخیوں کو توحید قرار دینے والوں کی شریعت میں حرام قرار پایا اور کچھ اسران شکم نے عیسائیت کے پہلے وار کی ناکامی کو دوسری سازش کے ذریعے کامیاب کرنے کے لئے فتوٰی دیا کہ قبروں کو بلند کرنا،ان پر تعمیر کرنا یہ شرعاً درست نہیں ہے۔“

”فھومن منکرات الشر عیتہ التی یجب علی المسلمین انکارھاوتسویتھامن غیر فرق بین نبی وغیر ہ نبی وصالح وطالح“

(الروضہ الندیہ ج اص ۱۷۸)

یہ جناب نواب صدیق حسن قنوجی کی مایہ ناز تصنیف ہے۔جس میں وہ فرمارہے ہیں کہ نبی اور غیر نبی کا فرق کیے بغیر قبروں کو زمین کے برابر کردیا جائے۔فکری عیاشی کے علمبردار جناب مسعودالدین عثمانی اپنی پمفلٹی (یہ مزار یہ میلے ص۱۰) پر قمطراز ہے کہ سات سوسال تک قبر شریف پر کوئی عمارت نہ تھی اور یہ عمارت کا بننا ایک برافعل تھا۔ یہ عیسائیت کی دوسری سازش ہے کہ کسی نہ کسی طرح روضہ اقدس کو شہید کردیا جائے۔ تاکہ وحدت امت پارہ پارہ ہوجائے۔ جب کہ عقیدت کا مرکز ہی ختم ہوگیا،تو مسلمانوں کے پاس بچا ہی کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آئے روز یہودی اور عیسائی پوپ مکہ اور مدینہ پر بمباری کرنے کی دھمکی دیتے رہتے ہیں اور جودشمنی مکہ اور مدینہ سے یہودونصاری کو ہے۔وہی دشمنی ان جماعت المسلمین والوں کو ہے۔مگران شیطان کے فرستادوں

اور دجالی مشن رکھنے والوں کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔ ان شاء اللہ!

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے یہ بازو ہمارے آزمائے ہوئے ہیں

## تیسری سازش اور اسفار شرعیہ

مسعود احمد بی۔ایس۔سی طبعاً بزدل ہونے کی وجہ سے کھل کر روضۂ اقدس گرانے کی بات نہ کر سکا۔ دبے لفظوں میں امت کو اس کی زیارت سے روکنے کے لئے بعض علماء کے علمی اختلاف کا سہارا لیا اور کہا کہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور گھر کی نیت سے سفر کرنا حرام ہے اور لوگوں کو زیارت قبر نبی سے روکنا تیسری سازش ہے۔ جس کے ذریعے وجود باجود ﷺ کو بے حیثیت ثابت کرنا ہے اور عقیدت کے مرکزیت کو ختم کرنا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے: ''مسجد حرام، بیت المقدس اور مسجد نبوی کے علاوہ کسی اور مقام کی زیارت کے لئے سفر کرنا حرام ہے۔'' (توحید المسلمین ص ۳۰۵ تا ۳۰۶)

اردو کتاب کا سطحی مطالعہ رکھنے والے افراد، چونکہ علم وفقاہت سے کورے ہوتے ہیں۔ اس لئے روایت پرستی کے لبادے میں اپنی علمی بے مائیگی کو چھپا لیتے ہیں اور احادیث کے مجملات پر اپنی خود ساختہ تحقیق کے محلات تعمیر کر لیتے ہیں۔ سفر کی کتنی اقسام ہیں اور کہاں سفر جائز ہے اور کہاں کا ناجائز، ان مباحث میں جو علم درکار تھا، اس سے مسعود احمد تہی دست تھے۔ لہٰذا ہم افادہ عام کے لئے اس کی تفصیل بیان کیے دیتے ہیں۔

استاد المکرم شیخ الحدیث حضرت مفتی محمد طاہر مسعود نے احکام سفر پر ایک بے انتہا وقیع اور تحقیقی کتاب قلمبند فرمائی ہے۔ افادہ قارئین کے لئے استاد محترم کی بیان کردہ تفصیل کو بلا کم وکاست یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ استاد مکرم کے لئے اسے ذخیرہ آخرت بنائے۔

## سفر کی اقسام

مختلف جہات کی اعتبار سے سفر کے متعدد اقسام بن جاتی ہیں۔ ہم یہاں صرف احکام شرع کے اعتبار سے سفر کے اقسام بیان کریں گے۔ شرعی اعتبار سے سفر کی چھ قسمیں ہیں۔ فرض، واجب، مستحب، جائز، مکروہ، حرام۔

فرض سفر: احقر کی جستجو اور تلاش کے اعتبار سے فرض سفر چھ قسم کا ہے۔ ذیل میں ان کو مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) سفر ہجرت: سفر ہجرت کا مطلب ہے: ''دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف آنا'' ہجرت عہد رسالت ﷺ میں فرض تھی۔ فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد گرامی سے ہجرت کی فرضیت کو منسوخ کر دیا۔ ''**لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد ونية**'' (صحیح بخاری شریف ج ۲ ص ۲۵۲ رقم الحدیث ۲۷۸۳، مسلم رقم الحدیث ۱۳۵۳، ترمذی رقم الحدیث ۱۵۹۰، نسائی رقم الحدیث ۴۱۷۰)

''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔'' اس زمانے میں ہجرت کی تین قسمیں یا تین طرح کے حکم ہیں:

۱..... جو مسلمان دار الحرب میں ہو، وہاں اپنے دین کے بارے میں مامون نہ ہو اور فرائض وواجبات شرعیہ کی ادائیگی سے قاصر ہو اور ہجرت پر قادر ہو تو اس کو اپنا ایمان بچانے کی خاطر دار الحرب (دار الکفر) سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا فرض ہے۔

۲..... دار الحرب میں فرائض وواجبات شرعیہ پر قدرت ہو اور دین کے بارے میں مامون بھی ہو۔ اس صورت میں ہجرت کرنا اور دار الکفر کو چھوڑ کر دار الاسلام میں آنا مستحب ہے۔ تاکہ مسلمانوں کے ملک میں ان کی قوت وشوکت بڑھے اور ہجرت کرنے والا کفار کی چالبازی اور ان کی برائی وبے حیائی کے کاموں سے بچ جائے۔

۳..... ہجرت فرض یا مستحب ہونے کی صورت میں کسی عذر مثلاً قید یا مرض وغیرہ کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکنے والے کے لئے مجبوری میں دار الحرب میں رہنا جائز ہے۔ اس صورت میں اگر تکلیف برداشت کر کے ہجرت کرے تو ثواب واجر کا مستحق ہوگا۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۱۳۲، عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۸۰)

(۲) سفر حج: جس شخص کے پاس حج کے اخراجات اپنی حاجات اصلیہ سے جائز موجود ہوں اور اپنے زیر کفالت لوگوں کے نان ونفقہ کا بندوبست بھی کر سکتا ہو، تو اس پر حج فرض ہے اور ادائیگی حج کے لئے سفر حج بھی فرض ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**وللّٰه على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا** (آل عمران:۹۷)'' ﴿اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمے اس مکان کا حج کرنا ہے۔ یعنی اس شخص کے جو طاقت رکھے وہاں تک سبیل کی۔﴾

(بیان القرآن ج ۱ ص ۴۱)

(۳) جس جگہ حرام غالب ہو وہاں سے نکل جانا: جس جگہ حرام کا غلبہ ہو، وہاں سے نکل جانا بھی فرض ہے۔ اس لئے کہ ہر مسلمان پر حلال مال کی طلب فرض ہے۔

(احکام القران لابن عربی ج۱ ص۴۸۶، تفسیر قرطبی ج۵ ص۳۵۱، معارف القران ج۵ ص۳۳۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''**طلب کسب الحلال فریضة بعدالفریضة**'' (رواہ البیہقی فی شعب الایمان ج۶ ص۴۲۰)

''اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض شرعیہ کے بعد حلال کمانا فرض ہے۔'' بظاہر حرام کی جگہ سے نکلنا اور کوچ کر جانا اس وقت فرض معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ وہاں حلال کمانے پر قدرت نہ ہو۔ اگر وہاں رہ کر حلال کمایا اور کھایا جاسکتا ہو، تو وہاں سے نکلنا فرض نہیں۔ **واللہ سبحانہ اعلم!**

(۴) حصول علم کے لئے سفر کرنا: اپنی دینی ضرورت کے بقدر علم حاصل کرنا اور پیش آمدہ مسائل کے شرعی حل کو جاننا فرض ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''**طلب العلم فریضة علی کل مسلم**'' (مجمع الزوائد ج۱ ص۱۱۹)

اپنے شہر میں اگر علم فرض حاصل ہوسکتا تو اس کے لئے سفر کرنا، دوسرے شہر جانا فرض نہیں ہوگا اور اگر اپنے شہر میں علم فرض کا حصول ممکن نہ ہو، تو اس کے لئے اپنے شہر کو چھوڑنا اور کسی ایسے شہر کی طرف سفر کرنا جہاں اہل علم موجود ہوں، فرض عین ہے۔ (ردالمختار ج۶ ص۴۰۸)

اپنی ضرورت سے زائد دین حاصل کرنا یعنی مکمل عالم بننا اور علم دین میں کمال حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ فرض کفایہ کا حصول اگر اپنے شہر میں ممکن نہ ہو، تو اس کے لئے سفر کرنا فرض کفایہ ہوگا۔ ہر علاقے کے اتنے افراد کا علم حاصل کرنا ضروری ہوگا۔ جن سے علاقہ بھر کی دینی ضروریات پوری ہوجاتی ہوں۔ اگر کوئی ایک بھی یہ علم حاصل نہیں کرے گا، تو علاقہ کے سارے لوگ گنہگار ہوں گے۔

نابالغ بچے کا حصول علم کے لئے سفر کرنا: نابالغ بچے کا والدین کی اجازت کے بغیر سفر علم کے لئے نکلنا جائز نہیں۔ تاہم دو شرطوں کے پائے جانے پر والدین کی اجازت کے بغیر بھی جانا جائز ہے۔

۱...... پہلی شرط یہ ہے کہ وہ سفر علم فرض عین کے لئے ہو، جس علم کا حاصل کرنا اس کے لئے فرض نہیں۔ اس کے لئے والدین کی اجازت کے بغیر سفر جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ

والدین کی اطاعت فرض عین ہے اور اس علم کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ فرض کفایہ کے لئے فرض عین کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔

۲..... دوسری شرط یہ ہے کہ حصول علم کے لئے جانے والا باریش ہو بے ریش بچے کے لئے والدین کی اجازت کے بغیر سفر علم کرنا جائز نہیں ہے۔

(الدرالمختار ج۶ ص۴۰۸، فتاوی عالمگیریہ ج۵ ص۳۶۶)

(۵) سفر جہاد: جہاد بعض حالات میں فرض عین ہوتا ہے اور بعض حالات میں فرض کفایہ۔ فرض عین ہونے کی صورت میں سفر جہاد کے لئے والدین کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ فرض نماز کے لئے والدین کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ جہاد فرض کفایہ ہونے کی صورت میں والدین کی اجازت ضروری ہے۔ والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر جانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ والدین کی اطاعت فرض عین ہے اور فرض عین کو فرض کفایہ کی وجہ سے نہیں چھوڑا جاسکتا۔

(الدرالمختار ج۴ ص۱۲۴، ۱۲۵)

رہا یہ مسئلہ کہ جہاد کب فرض عین ہوتا ہے اور کب فرض کفایہ اس کے لئے بوقت ضرورت مستند علماء کرام سے رجوع کرلیا جائے۔

(۶) سفر معاش: بسا اوقات آدمی کو اپنے شہر یا گاؤں میں کوئی روزگار نہیں ملتا اور بھوکوں مرتا ہے۔ اس صورت میں طلب رزق کے لئے دوسری جگہ سفر کرنا، تاکہ وہاں جاکر محنت مزدوری کرے، یا شکار کرے یا لکڑی وغیرہ کاٹ کر اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالے۔ یہ سفر بھی فرض ہے۔ اس لئے کہ طلب کسب حلال فرض ہے۔ جیسا کہ نمبر۳ میں حدیث گزر چکی ہے۔

(احکام القران لابن عربی ج۱ ص۴۸۶، تفسیر القرطبی ج۵ ص۳۵۱)

مستحب سفر: مستحب سفر سے مراد وہ سفر ہے، جس کا کرنا باعث اجر وثواب ہو اور نہ کرنے سے کوئی گناہ نہ ہو۔ مستحب سفر کی چند اقسام ہیں۔ ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) سفر عبرت: عبرت کے لئے اور اللہ کی تخلیق میں غور وفکر کرنے کے لئے اور پچھلی امتوں کے نافرمانوں کا انجام دیکھنے کی غرض سے سفر کرنا مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس سفر کا شوق اور رغبت دلائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”**افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلهم** (یوسف:۱۰۹)“ ﴿تو کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے ہوگذرے ہیں۔﴾

(بیان القران ج۱ ص۱۰۱)

حضرت ذوالقرنین رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے پوری دنیا کا سفر اس لئے کیا تھا، تاکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے عجائبات اور قدرت کے پیدا کردہ فطری مناظر کا نظارہ کرسکیں۔ (احکام القرآن لابن عربی ج۱ص۴۸۶)

(۲) <u>زیارت مسلم کے لئے سفر کرنا:</u> مسلمان بھائی کی زیارت کے لئے سفر کرنا بھی مستحب ہے۔صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’ایک شخص اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کے لیے دوسری بستی کی طرف چلا، اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ کھڑا کردیا، فرشتے نے اسے کہا: آپ کدھر جارہے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا کہ میں فلاں بستی میں اپنے بھائی کی زیارت کے لئے جارہا ہوں۔فرشتے نے کہا: اس کے علاوہ بھی کوئی کام ہے؟ اس شخص نے جواب دیا اپنے اس بھائی سے اللہ کے لئے محبت کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں۔فرشتے نے کہا: میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا فرستادہ ہوں۔اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف یہ پیغام دیکر بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ محبت فرماتے ہیں۔جیسا کہ تم اپنے بھائی سے محبت کرتے ہو۔‘‘ (صحیح مسلم ج۴ص۱۹۸۸، حدیث۲۵۶۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی ملاقات کے لئے جانا اور اس غرض سے سفر کرنا مستحب ہے۔

(احکام القرآن لابن عربی ج۱ص۴۸۶، تفسیر القرطبی ج۵ص۳۵۱، معارف القرآن ج۵ص۳۳۱)

اسی طرح والدین کی زیارت کے لئے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کے لئے بیمار لوگوں کی عیادت کے لئے اور انہی جیسے دوسرے کاموں کے لئے بھی سفر کرنا مستحب ہے۔

(مواہب الجلیل ج۳ص۱۳۹، کشاف القناع ج۱ص۵۰۳، الانصاف ج۲ص۳۱۶)

(۳) <u>مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے سفر کرنا:</u> مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے سفر کرنا بھی مستحب ہے۔مثلاً مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ کی زیارت کے لئے سفر کرنا ان کے علاوہ دیگر مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے سفر کرنا مستحب ہے۔ (معارف القرآن ج۵ص۳۳۱)

(۴) <u>روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لئے سفر کرنا:</u> انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر صلحاء کی قبروں کی زیارت کے لئے سفر کرنا، بالخصوص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرنا نہ صرف مستحب بلکہ اعظم القربات یعنی عظیم ترین نیکی ہے۔ذیل میں ہم چاروں فقہوں: فقہ حنفی، فقہ

مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کی عبارات پیش کرتے ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا نہ صرف مستحب بلکہ افضل ترین عبادت ہے۔

## فقہ حنفی کی عبارات

درمختار میں ہے: ''اور نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرنا مستحب ہے اور جس شخص کو مالی وسعت حاصل ہو، اس کے لئے واجب بھی کہا گیا ہے۔ حج فرض ہونے کی صورت میں پہلے حج کرے۔ (پھر زیارت کرے) اور نفلی حج کی صورت میں اختیار ہے۔ (تفصیل بالا اس وقت ہے) جب مدینہ منورہ کے راستے سے نہ گزرے اور اگر مدینہ منورہ کے راستے سے گزرے تو بہر صورت پہلے قبر مبارک کی زیارت کرے۔ (پھر حج کرے) اور ساتھ مسجد نبوی کی زیارت کی نیت بھی کرلے۔'' (الدرالمختار ج ۲ ص ۶۲۷)

اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے اس کے مستحب ہونے کو ثابت فرمایا ہے۔ اختصار کے پیش نظر ان کی عبارت کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔

''حج کے لئے جانے والا اگر مدینہ منورہ سے ہو کر گزرے، جیسے اہل شام، تو بہر صورت پہلے قبر مبارک کی زیارت کرے، اس لئے کہ مدینہ منورہ کے قریب سے گزرنا اور قبر مبارک کی زیارت نہ کرنا بہت بڑی محرومی اور بدبختی ہے۔''

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری رائے میں مناسب یہ ہے کہ صرف قبر مبارک کی زیارت ہی کی نیت کرے۔ قبر مبارک کی زیارت کے ساتھ اس کو مسجد نبوی کی زیارت بھی حاصل ہو جائے گی۔ ایسا کرنے میں نبی کریم ﷺ کی تعظیم زیادہ ہے اور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی اس کی تائید میں ہے: ''جو شخص میری زیارت کو آیا اور سوائے میری زیارت کے اس کو کوئی حاجت نہ تھی تو مجھ پر لازم ہے کہ قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔''

(معجم طبرانی عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ج ۱۲ ص ۲۹۱)

اور ملا عارف جامی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے: قبر مبارک کی زیارت کے لئے حج سے الگ سفر کرے۔ تاکہ اس سفر میں سوائے قبر مبارک کی زیارت کے کوئی اور مقصد نہ ہو۔ (اس سے حدیث میں بیان کردہ فضیلت حاصل ہو جائے گی) (ردالمحتار ج ۲ ص ۶۲۷)

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ مراقی الفلاح کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں: ''قالوا: ان کان الحج فرضا قدمه علیها، والاتخیرو الاولی فی الزیارة تجرید النیة لزیارة قبره'' (حاشیہ طحطاوی علی المراقی الفلاح ص ۴۴۷)

علماء نے فرمایا ہے: اگر حج فرض ہو تو اس کو زیارت قبر پر مقدم کرے۔ اگر فرض نہ ہو تو دونوں طرح اختیار ہے اور قبر مبارک کی زیارت کے سفر میں نیت صرف زیارت قبر ہی کی زیادہ بہتر ہے۔

## فقہ مالکی کی عبارات

الشرح الصغیر میں ہے: ''وندب زیارة النبی ﷺ وهی من اعظم القربات'' (الشرح الصغیر ج ۲ ص ۱۷)

''اور نبی کریم ﷺ کی (قبر مبارک) کی زیارۃ مستحب ہے اور یہ سب نیکیوں سے بڑھ کر نیکی ہے۔''

فقہ مالکی کی اس معتبر کتاب کی تعبیر بڑی عجیب اور پر کیف ہے۔ اس میں قبر مبارک کی زیارت کو نبی کریم ﷺ کی زیارت قرار دیا ہے۔

اس کی شرح میں علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وحث علی کل مسلم زیارتها، فالرحلة الیها ماموربهاواجبة، ای متاکدة علی المسلم المستطیع له سبیلا'' (الشرح الصغیر مع حاشیہ الصاوی ج ۲ ص ۱۷)

''ہر مسلمان پر قبر مبارک کی زیارت واجب ہے۔ چنانچہ قبر مبارک کی طرف سفر کرنا مامور بہ اور واجب ہے۔ یعنی ہر اس مسلمان کے لئے جو اس کی استطاعت رکھتا ہو، تاکیدی حکم ہے۔

الخرشی میں ہے: ''ان زیارة قبرالنبی ﷺ من اعظم القربات التی یرجح فعلها علی ترکها'' (الخرشی ج ۲ ص ۳۴۴)

''بلاشبہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت ان عظیم ترین نیکیوں میں سے ہے، جن کے کرنے کو ترک پر ترجیح دی جاتی ہے۔''

## فقہ شافعی کی عبارات

مغنی المحتاج میں ہے: ''او سفراً مندوباً کزیارة قبرالنبی ﷺ''

(مغنی المحتاج ج ۱ ص ۲۶۸)

''یا مستحب سفر ہو، جیسے نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت (کے لئے سفر) کرنا۔''

شارح مسلم علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''**اعلم ان زیارۃ قبر النبی ﷺ من اھم القربات وانجح المساعی... وینوی الزائر مع الزیارۃ التقرب وشد الرحل الیہ**'' (المجموع للنووی رحمۃ اللہ علیہ ج ۸ ص ۲۱۵)

''اس بات سے باخبر رہنا چاہئے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرنا، اہم ترین نیکی اور عمدہ ترین مساعی میں سے ہے اور زائر کو زیارت کی نیت کے ساتھ تقرب الی اللہ اور قبر مبارک ہی کی طرف سفر کی نیت کرنی چاہئے۔

## فقہ حنبلی کی عبارات

کشاف القناع میں ہے: ''**واذا فرغ من الحج استحب لہ زیارۃ قبر النبی ﷺ وقبری صاحبیہ ابی بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ لحدیث الدارقطنی..... قال ابن نصر رحمۃ اللہ علیہ لازم استحباب زیارۃ قبرہ ﷺ، استحباب شد الرحل الیھا لان زیارتہ للحاج بعد حجہ لاتمکن بدون شد الرحل، فھذا کالتصریح باستحباب شد الرحال لزیارہ ﷺ**'' (کشاف القناع ج ۲ ص ۵۹۸)

''حج سے فارغ ہونے کے بعد حاجی کے لئے نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک اور آپ کے دونوں صحابہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبور کی زیارت مستحب ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو دار قطنی نے نقل کیا ہے..... ابن نصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کا مستحب ہونا، اس امر کی دلیل ہے کہ قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا مستحب ہو۔ اس لئے کہ حاجی کے لئے اس نیت سے سفر کے بغیر زیارت ممکن نہیں۔ گویا یہ اس بات کی تصریح ہے کہ صرف قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا مستحب ہے۔''

ان فقہی عبارات سے یہ بات بڑی وضاحت سے معلوم ہو رہی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرنا اور اس مقصد کے لئے سفر کرنا مستحب ہے۔ حتی کہ بعض حضرات نے اس کو واجب بھی قرار دیا ہے۔

مذکورہ بالا فقہی عبارات کے بعد اس موضوع پر چند احادیث کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں بھی قبر مبارک کی زیارت اور اس مقصد کے لئے سفر کا مستحب ہونا معلوم ہو جائے۔

## احادیث مبارکہ کی روشنی میں قبر مبارک کی زیارت کے لئے سفر کا مستحب ہونا

۱..... ''عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ من زار قبری وجبت له شفاعتی'' (شعب الایمان البیہقی ج ۳ ص ۴۹۰، حدیث ۴۱۵۹، سنن الدار قطنی ج ۳ ص ۲۷۸، آثار السنن: ۵۴۵، وقال اسنادہ حسن)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی۔ اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔''

۲..... ''وعن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: من جاء نی زائراً لاتحمله حاجة الا زیارتی کان حقا علی ان اکون له شفیعا یوم القیامة'' (معجم کبیر للطبرانی رحمۃ اللہ علیہ ج ۱۲ ص ۲۹۱، حدیث ۱۳۱۴۹)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری (یا میری قبر کی) زیارت کے لئے آیا اور آنے کا باعث سوائے میری زیارت کے اور کچھ نہ تھا، تو مجھ پر لازم ہے کہ قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔''

یہ دونوں حدیثیں اپنے الفاظ کے عموم کے اعتبار سے دور سے سفر کر کے آنے والوں اور نزدیک سے سفر کر کے آنے والوں، سب کو شامل ہیں، بالخصوص دوسری حدیث کے الفاظ: ''من جاء نی زائراً'' (جو میری زیارت کے لئے آیا) سفر کے معنی میں زیادہ واضح ہے۔ بلکہ ''محض زیارت ہی کی نیت سے'' سفر کرنے والے کے حق میں ہے۔

(شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ۱۰۱)

اس سے سفر مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کا مستحب ہونا واضح ہے۔

۳..... ''وعن طلحة بن عبیداللہ قال: خرجنا مع رسول اللہ ﷺ نرید قبور الشهداء حتی اذا اشرفنا علی حرة واقم، فلما تدلینا منها واذا قبور بمحبیة قال: قلنا یا رسول اللہ ﷺ اقبور اخواننا هذه؟ قال: قبور اصحابنا، فلما جئنا قبور الشهداء قال: هذه قبور اخواننا''

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۸، حدیث ۲۰۴۳)

''حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول اللہ ﷺ کے

ساتھ شہداء کی قبروں کی زیارت کے لئے نکلے، یہاں تک کہ ہم واقم (ٹیلے) کی پتھریلی جگہ پر چڑھ گئے۔ جب ہم اس سے نیچے اترے تو اس سے نیچے ایک طرف قبریں تھیں۔ طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں۔ (جن کی زیارت کے لئے ہم آئے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ہمارے اصحاب کی قبریں ہیں، جب ہم شہداء کی قبروں کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں۔ (جن کی زیارت کے لئے ہم آئے ہیں)''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہداء کی قبروں کی زیارت کے لئے جانا مستحب ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے جانا بطریق اولی مستحب ہوا۔

## حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قبر مبارک کی زیارت کے لئے سفر کا عجیب وغریب واقعہ

۴..... حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''**ما هذه الجفوة يابلال، اما أن لك ان تزورني يا بلال**'' ﴿بلال یہ کیا بے وفائی ہے؟ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کے لئے (مدینہ) آؤ۔﴾

بلال رضی اللہ عنہ گھبراہٹ کے عالم میں نیند سے بیدار ہوئے۔ سواری پر سوار ہوئے۔ مدینہ منورہ پہنچے اور قبر مبارک پر حاضری دی۔ وہاں روتے رہے۔ اپنے چہرے کو قبر مبارک پر ملتے رہے۔ اتنے میں حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ آ گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دونوں کو گلے سے لگا لیا پیار کیا۔ نواسوں نے فرمائش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو اذان دیا کرتے تھے ہم وہی اذان سننا چاہتے ہیں۔ اوپر چڑھئے اور اذان دیجئے۔ بلال رضی اللہ عنہ اس جگہ کھڑے ہو گئے، جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے۔ اذان شروع کی۔ ''**اللہ اکبر، اللہ اکبر**'' کہا تو سارا مدینہ حرکت میں آ گیا۔ ''**اشهدان لااله الاالله**'' کہا تو یہ حرکت شدید ہو گئی۔ ''**اشهد ان محمداً رسول الله**'' کہا تو عورتیں بھی باہر نکل آئیں اور لوگ سوالیہ انداز میں کہنے لگے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (دوبارہ) مبعوث کر دیئے گئے؟ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جتنا اس دن مدینہ کی عورتیں اور مرد روئے اتنا روتا کسی اور دن نہیں دیکھا گیا۔'' (رواہ ابن عساکر وقال الشیخ تقی الدین السبکی: اسنادہ، جید، آثار السنن ۵۴۷، حدیث ۱۱۱۳، تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۵ ص ۲۶۵)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شام سے مدینہ منورہ کا سفر خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر کیا اور خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زیارت ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ''**من رانی فی المنام فقد رانی، فان الشیطان لایتخیل بی**'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۵۶۸، حدیث: ۶۹۹۴)

''جس شخص نے خواب میں مجھے دیکھا، اس نے (حقیقت میں) مجھے ہی دیکھا، اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عمل قبر مبارک کی زیارت کے لئے سفر کے مستحب ہونے پر واضح دلیل ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر یہ سفر واجب تھا۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آپ کو اس سفر کا حکم فرمایا تھا۔ **واللہ سبحانہ اعلم!**

۵..... آخر میں قرآن کریم کی ایک آیت ملاحظہ فرمائیں: ''**ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوك فاستغفروا اللہ واستغفرلھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیماً (النساء: ٦٤)**''

''اور اگر جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے، اس وقت آپ کی خدمت حاضر ہوجاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ کا قبول کرنے والا رحمت کرنے والا پاتے۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۲۹)

یہ آیت گو منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ اگر منافقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بغرض توبہ حاضر ہوں۔ اللہ سے معافی مانگیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے مغفرت کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف کردیں گے۔ لیکن اپنے الفاظ کے عموم کی بناء پر یہ آیت ہر اس شخص کے بارے میں ہے، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیں گے اور یہ معاملہ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں تھا۔ آج بھی ایسے ہی ہے قبر مبارک پر حاضری، دربار رسالت میں حاضری کی مثل ہے۔ ایک مرتبہ مروان نے دیکھا کہ ایک شخص قبر مبارک پر اپنا چہرہ رکھ کر بیٹھا ہے۔ مروان نے گردن سے پکڑ لیا۔ دیکھا تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے مروان نے کہا: ''**اتدری ماذا تصنع**'' ''تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو؟ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں مجھے معلوم ہے میں کیا کر رہا ہوں۔ پھر فرمایا: ''**جئت**

رسول اللہ ﷺ ولم أت الحجر ''(اخرجه الحاكم فی المستدرك وقال: هذا حديث صحيح، الاسناد ولم يخرجاه واقره عليه الذهبی وقال: صحيح المستدرك للحاكم مع التلخيص ج٤ ص١١٥)

''میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں۔''

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آج بھی اگر کوئی شخص قبر مبارک پر حاضر ہو اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے، رسول اللہ ﷺ اس کے گناہوں کی بخشش کے لئے شفاعت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادیں گے۔ ان شاء اللہ!

(المغنی لابن قدامۃ ج۲ ص۴۹۰، معارف القران ج۲ ص۴۶۰)

## ایک اعرابی کی قبر مبارک کی زیارت کا عجیب وغریب واقعہ

بہت سے حضرات نے اپنی اپنی کتب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی یہ قصہ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب ہم دفن کر چکے تو اس کے تین دن بعد ایک اعرابی مدینہ منورہ آیا۔ آتے ہی قبر مبارک پر گر گیا اور قبر مبارک کی مٹی اپنے سر پر ڈالنے لگا۔ پھر اس نے ایک شعر پڑھا۔

یاخیر من دفنت فی التراب اعظمه فطاب من طیبهن القاع والاکم

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه فیه العفاف وفیه الجود والکرم

''مٹی میں دفن کر دیئے جانے والے جسموں میں سے اے سب سے بہترین ذات۔ جس کی عمدگی کی وجہ سے (ساری) زمین اور ٹیلے خوشگوار اور اچھے ہو گئے۔ میری جان اس پر فداء ہو۔ جس میں آپ رہائش پذیر ہیں۔ اس قبر میں پاک دامنی اور جود وکرم ہیں۔

پھر اس اعرابی نے کہا: ''قد قلت یا رسول اللہ فسمعنا قولك ووعیت عن اللہ فوعینا عنك وکان فیما انزل اللہ علیك: ''ولو انهم اذظلموا انفسهم جاء وك'' الاٰیة۔ وقد ظلمت نفسی وجئت استغفراللہ ذنبی فاستغفرلی من ربی'' فنودی من القبر: انه قد غفرلك'' (البحر المحیط لابن حبان ج۳ ص۲۸۳، وذکره النووی رحمۃ اللہ علیہ فی المجموع وقال: ومن احسن ما یقول ماحکاه المرداوی رحمۃ اللہ علیہ والقاضی ابوالطیب وسائر اصحابنا عن العتبی رحمۃ اللہ علیہ مستحسنین له الخ المجموع للنووی رحمۃ اللہ علیہ ج۸ ص۱۲۷، المغنی لابن قدامه ج۳ ص۵۸۸، الشرح الکبیر ج۳ ص۴۹۴، المغنی المحتاج للخطب الشربینی ج۱ ص۵۱۲)

''یارسول اللہ ﷺ جو کچھ آپ نے فرمایا وہ ہم نے سنا (اور تسلیم کیا) آپ نے اللہ سے (سن کر) محفوظ کیا۔ ہم نے آپ سے (سن کر) محفوظ کیا۔ آپ پر جو قرآن نازل ہوا، اس میں یہ آیت بھی ہے۔'' **ولوانهم اذظلموانفسهم** ''پوری آیت پڑھی اور کہا میں نے اپنے نفس پہ ظلم کیا اور (آیت کے مطابق) آپ کے پاس آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں۔ آپ میرے لئے میرے رب سے بخشش کی سفارش فرمائیں۔ اس پر قبر سے آواز آئی: تیری بخشش کر دی گئی۔''

ظاہر ہے یہ واقعہ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا۔ سب صحابہ رضی اللہ عنہم کا سکوت ان کے اجماع کی دلیل ہے۔ مزید برآں عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے آج تک تمام حجاج کرام حج سے پہلے یا حج کے بعد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا سفر قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے کرتے چلے آئے ہیں اور اس سفر میں بہتر یہی ہے کہ قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کیا جائے۔ امت کا یہ تعامل اس سفر کے مستحب ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

جائز سفر: ہر وہ سفر جس میں کوئی ناجائز مقصد اور معصیت نہ ہو، سفر کا منشاء و غرض صحیح ہو تو شرعاً وہ سفر جائز ہوگا۔ سفر مباح کے چند اقسام ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

## (۱) تجارت اور زیادہ مال کمانے کے لئے سفر:

سفر معاش تو بعض حالات میں فرض ہے۔ جیسا کہ پیچھے گذر چکا ہے۔ یہاں سفر تجارت سے مراد یہ ہے کہ بقدر ضرورت تو مال مل رہی ہے۔ ضرورت سے زائد روپیہ، پیسہ، کمانے اور مال دار بننے کی خاطر سفر کیا جائے۔ یہ سفر بھی جائز ہے۔

(العنایہ علی الہدایہ ج ۲ ص ۱۹ مواہب الجلیل ج ۲ ص ۱۳۹)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ''**لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم (البقرہ: ۱۹۸،۱)**''

تم کو اس میں بھی ذرا گناہ نہیں کہ معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ (بیان القرآن ۱، ۱۱۴)

حج کے سفر میں بھی اس تجارت کی اجازت ہے اور اس غرض کے لیے مستقل سفر کرنا بھی جائز ہے۔

**اہم تنبیہ:**

آج کل مالی وسعت کے باوجود زیادہ مال کمانے کی غرض سے غیر مسلم ممالک کا سفر اور وہاں مستقل یا عارضی سکونت کا رواج عام ہو رہا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ جو لوگ بلاد کفار میں رہتے ہیں۔ ان کے اندر حمیت دینی کم ہوتے ہوتے تقریباً ختم ہی ہو جاتی ہے۔ وہاں طرح طرح کے منکرات و فواحش سے بچنا بہت ہی مشکل ہے۔ اسی طرح وہاں پر اولاد کا دینی اور اخلاقی مستقبل تباہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے غیر مسلم ممالک میں اس غرض کے لئے جانے یا سکونت اختیار کرنے سے اجتناب ضروری ہے اور اس قسم کا سفر کراہت سے خالی نہیں۔

تفصیل کے لئے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ ورعاہ کی عربی تصنیف ''**بحوث فی قضایا فقیه معاصره**'' کی طرف مراجعت فرمائیں۔

سنن ابوداؤد میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله**'' (سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۹۳، حدیث ۲۷۸۷)

''جو شخص معاملات میں کسی (کافر) مشرک کا ساتھی بنا اور اس کے ساتھ رہائش رکھی تو وہ اسی کے مثل ہے۔''

جامع ترمذی میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**انا بریء من کل مسلم یقیم بین اظهر المشرکین**''

(جامع الترمذی ج ۴ ص ۱۵۵، حدیث ۱۶۰۴)

''جو شخص مشرکین کے ساتھ سکونت اختیار کرے۔ میں اس سے بری ہوں۔''

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے لئے غیر مسلم ممالک میں سکونت اختیار کرنا جائز نہیں۔ حدیث کے لفظ ''**یقیم**'' سے معلوم ہو رہا ہے کہ تجارت وغیرہ کی غرض سے غیر مسلم ممالک میں مدت اقامت (پندرہ راتوں) سے زیادہ ٹھہرنا کراہت سے خالی نہیں۔'' **واللہ اعلم!** (معالم السنن للخطابی رحمہ اللہ ج ۳ ص ۴۳۶)

## (۱) مال کے ضائع ہونے کے خوف سے سفر:

کسی جگہ رہنے سے مال ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ وہاں سے سفر کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ مسلمان کے مال کی حرمت اس کی جان کی حرمت کی طرح ہے۔ یعنی جس طرح مسلمان

خون محترم ہے۔ اسی طرح اس کا مال بھی محترم ہے، جان بچانے کی غرض سے بھاگنا جائز ہے، تو مال بچانے کی خاطر سفر کرنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح اولاد وغیرہ کے تحفظ کی خاطر بھی سفر کرنا جائز ہے۔ (تفسیر القرطبی ج ۵ ص ۳۵۰، معارف القرآن ج ۵ ص ۳۳۰)

## (۲) جسمانی تکالیف سے تحفظ کے لئے سفر:

کسی جگہ رہنے سے جسمانی تکالیف کا خطرہ ہو تو وہاں سے سفر کر کے کسی دوسری جگہ چلے جانا جائز ہے۔ (حوالا بالا)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم میں ہے: ''**فخرج منها خائفا يترقب قال رب نجنى من القوم الظالمين (القصص:۲۱)**''

''پس موسیٰ (علیہ السلام) وہاں سے نکل گئے۔ خوف اور وحشت کی حالت میں کہنے لگے، اے میرے پروردگار مجھ کو ان ظالموں سے بچا لیجئے۔ (بیان القرآن ج ۲ ص ۱۰۴)

مکروہ سفر: ہر وہ سفر جس میں کوئی دینی یا دنیوی منفعت نہ ہو۔ مثلاً محض شہروں کو دیکھنے کے لئے سفر کرنا یا تنہا سفر کرنے کی صورت میں نقصان یا ضرر کا اندیشہ ہونے کے باوجود اکیلے سفر کرنا۔ اسی طرح لایعنی کاموں کے لئے سفر کرنا مکروہ ہے۔ اس میں مال کا ضیاء بھی ہے۔ مسلمان کی شان یہ ہے کہ ہر اس کام کو چھوڑ دے، جس میں دین اور دنیا کسی کا فائدہ نہ ہو۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''**من حسن اسلام المرء تركه مالا يعنيه**'' (جامع الترمذی: ۲۳۱۸، حدیث ۵۵۸۴)

''آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ ہر بے فائدہ کام کو چھوڑ دے۔''

سفر حرام: ہر وہ سفر جو گناہ کرنے کے ارادہ سے کیا جائے، شرعاً وہ سفر ممنوع ہو، ایسا سفر کرنا حرام ہے۔ مثلاً ڈاکہ ڈالنے یا چوری کرنے کے ارادے سے سفر کرنا، کسی مسلمان پر ظلم و زیادتی کرنے کے ارادے سے سفر کرنا، عورت کا خاوند کی اجازت کے بغیر سفر کرنا، عورت کا خاوند یا محرم کے بغیر سفر کرنا، مقروض کا قرض خواہ سے چھپنے کی نیت سے سفر کرنا، جب کہ قرض کی ادائیگی پر قادر بھی ہے۔ زنا کرنے، شراب خریدنے یا پینے یا اور اسی قسم کی بدکاری یا گناہ کا کام کرنے کے ارادے سے سفر کرنا حرام ہے، فقہ حنفی کے علاوہ باقی تینوں فقہوں میں حرام سفر کرنے کے والا سفر کی رعایتوں میں سے کسی بھی رعایت کا مستحق نہیں ہے۔

(الہدایہ: ۱۶۷، مواہب الجلیل ج ۲ ص ۱۴۰، المجموع ج ۴ ص ۲۲۶، المغنی لابن قدامہ ج ۲ ص ۱۰۱)

فقہ حنفی کی رو سے یہ سفر گو حرام ہے اور اس پر اس کو گناہ بھی ہوگا، مگر سفر الگ چیز ہے اور گناہ کا ارادہ الگ چیز ہے۔ گناہ کے ارادے کے باوجود وہ شخص مسافر قرار پائے گا اور مسافر ہونے کے ناطے مسافر کے احکام اس پر لاگو ہوں گے۔ اس مسئلہ کی تفصیل احقر کے عربی رسالہ (غیر مطبوعہ) ''احکام سفر'' میں موجود ہے۔

طاعون والی جگہ سے نکلنے یا وہاں جانے کا حکم: جس جگہ طاعون کی وبال پھیل جائے تو وہاں سے نکلنا اور وہاں جانا دونوں ناجائز ہیں۔

مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**الفار من الطاعون کالفار من الزحف**'' (مسند احمد ج۶ ص۸۲)

''طاعون سے بھاگنے والا میدان جنگ سے بھاگنے والے کی طرح ہے۔'' یہ ایک قسم کی وعید ہے اور وعید حرام کام پر ہوتی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''**قال رسول اللہ ﷺ: الطاعون رجز ارسل علی طائفة من بنی اسرائیل او علی من کان قبلکم، فاذا سمعتم به بارض فلاتقدموا علیه، واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا فرارا منه**''

(صحیح بخاری ج۳ ص۱۲۸۱، حدیث ۳۲۸۶، صحیح مسلم ج۴ ص۱۷۳۷، حدیث ۲۲۱۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طاعون ایک عذاب ہے۔ جو بنی اسرائیل پر یا آپ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں پر جو تم سے پہلے نازل کیا گیا تھا۔ سو جب تم کسی جگہ اس کے بارے میں سنو تو وہاں مت جاؤ اور اگر یہ اس جگہ پھیل جائے۔ جہاں تم پہلے سے ہو وہاں سے مت بھاگو۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کہ طاعون والی جگہ جانا یا وہاں سے بھاگنا دونوں ناجائز ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے طاعون والی جگہ سے نکلنے کی تین صورتیں ذکر فرمائی ہیں:

۱..... طاعون والی جگہ سے بھاگنے اور طاعون سے بچنے کی نیت سے نکلنا، یہ صورت ناجائز ہے۔ حدیث پاک میں وارد نہی اس صورت کو شامل ہے۔

۲..... کسی حاجت سے طاعون والی جگہ سے نکلنا۔ جب کہ طاعون سے فرار مقصد نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص نے کسی معین تاریخ کو سفر پر جانے کا پروگرام بنایا۔ اسی تاریخ کو طاعون کی وباء پھیل گئی۔ اب اس کا طاعون والی جگہ سے نکلنا جائز ہے۔ کیونکہ طاعون سے فرار مقصد نہیں۔

۳..... کسی ضرورت سے طاعون والی جگہ سے نکلنا۔ مگر ساتھ ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ یہاں سے نکلنے کی وجہ سے طاعون کی وباء سے بچ جاؤں گا۔ اس صورت کے جائز اور ناجائز ہونے میں سلف کا اختلاف ہے۔ بعضوں نے جائز اور بعضوں نے ناجائز کہا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۵۹)

درمختار میں ہے کہ اگر کسی شخص کا تقدیر پر پختہ اعتقاد ہے اور اسے یقین ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم اور قدرت سے وجود میں آتی ہے، تو ایسے شخص کے لئے طاعون والی جگہ پر آنا اور جانا دونوں جائز ہیں۔ اگر اس کا اعتقاد یہ ہے کہ اگر طاعون والی جگہ گیا تو اس بیماری میں مبتلاء ہو جاؤں گا۔ اگر اس جگہ سے نکل آیا تو بچ جاؤں گا۔ ایسے شخص کے لئے طاعون والی جگہ جانا یا وہاں سے نکلنا جائز نہیں اور اسی صورت پر حدیث شریف کو محمول کیا گیا ہے۔

(الدر المختار ج ۶ ص ۷۵۷، ملخصاً احکام سفر ص ۱۷۴ تا ۱۹۴)

مسعود احمد بی۔ایس۔سی نے اپنے پیروکاروں کی رہنمائی کے لئے کتب تصنیف کی ہیں۔ اگرچہ یہ تمام کتب جہاں اس کی غیر متوازن شخصیت کو آشکارا کرتی ہیں، وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس فنکار کا ہدایت کار کوئی اور ہے۔ جو اسے یہ علمی مواد تحریف کر کے ٹرانسفر کرتا ہے اور مسعود احمد اسے اپنے نام سے شائع کرتا ہے۔ اس کی کتب میں سے ایک کتاب جو توحید کے نام پر اس نے لکھی ہے اور اپنی نام نہاد توحید کو دلائل کی بیساکھی فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کا نام ہے ''توحید المسلمین'' لہٰذا اس کی بقیہ کتب کے تجزیہ سے پہلے ''توحید المسلمین'' میں اس کی طرف سے کی جانے والی علمی بددیانتیوں اور دیگر غلط مسائل کی وضاحت ضروری ہے۔ سب سے پہلے ''توحید المسلمین'' کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد دیگر کتب پر تنقیدی و تحقیقی جائزہ ہوگا۔

## سرورِ کائنات اور جماعت المسلمین

''اللہ تعالیٰ کے ماسواء کسی کو سرورِ کائنات کہنا شرک ہے۔''

(توحید المسلمین ص ۹۳، طبع ۱۹۹۷ء)

ان کی دیگر کئی کتب اور پمفلٹوں میں بھی ان مسعودیوں نے آپ ﷺ کی دوسرے انبیاء پر فضیلت کا انکار کیا ہے۔ اب ہم آتے ہیں نفسِ مسئلہ کی طرف کہ سرور کائنات کا معنی کیا ہے اور اس کا حکم کیا ہے؟ اردو لغت کی معتبر ترین کتاب (فرہنگ آصفیہ ج۳ ص۴۷) پر لکھا ہے: سرور فارسی زبان کا لفظ ہے۔ بمعنی سردار، امیر، بادشاہ، عالم اور سرور کائنات یہ آپ ﷺ کا لقب ہے۔

(فرہنگ آصفیہ ج۳ ص۷۶، فرہنگ عامر ص۲۲۱ پر بھی سرور کا مطلب سردار بتایا گیا ہے)

سرورِ کائنات کو عربی میں ''**سید الکونین**'' کہتے ہیں (القاموس الجدید ص۶۱۰) یعنی کائنات کا سردار اور ضابطہ یہ ہے کہ جب کسی نبی کو کسی قبیلے یا قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا ہے تو وہ نبی اس قوم اور قبیلے کا سردار ہوتا ہے۔ تمام انبیاء مختلف اقوام اور قبیلوں کی طرف آئے جب کہ نبی کریم ﷺ کسی خاص قبیلے، قوم یا گروہ کی طرف نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ بلکہ آپ ﷺ کی نبوت ذرہ خاک سے رفعت افلاک تک ہر چیز کو حاوی ہے۔ خود آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**فضلت علی سائر الانبیاء بستٍ**'' کہ مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے اور آپ ﷺ وہ چیزیں ارشاد فرمائیں، جن میں ایک فضیلت یہ بھی ہے: ''**ارسلت الی الخلق کافة**''

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۲۳، ترمذی رقم الحدیث:۱۵۵۳، نسائی رقم الحدیث:۳۰۸۷، ابن ماجہ رقم الحدیث:۵۶۷)

کہ مجھے تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے تو جیسے قوم اور قبیلے کا سردار ہوتا ہے۔ ایسے ہی نبی کریم ﷺ چونکہ اللہ کی پیدا کردہ تمام مخلوقات کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کا سرورِ کائنات ہونا شرک کیسے ہو گیا؟

جب خود اللہ تعالیٰ انہیں یہ منصب عطا فرماتا ہے۔ اگر یہ منصب خدائی میں شرکت کا ہوتا تو ہم اسے شرک کہہ سکتے۔ بلکہ یہ تو **فضل اللہ یؤتیه من یشاء** کہ اللہ کا فضل ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ عطاء فرما دیں اور آپ ﷺ کو جو سروری و سرداری اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمائی ہے۔ خود آپ ﷺ نے متعدد مرتبہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اس کا اظہار فرمایا۔

## لفظ مولانا اور جماعت المسلمین

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی مولیٰ نہیں نہ کسی کو مولیٰ سمجھنا چاہیے اور نہ کسی کو مولیٰ کہہ کر پکارنا چاہئے۔ مولانا یا مولائی کے الفاظ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنے چاہئے کسی دوسرے کے لئے نہیں۔ (توحید المسلمین ص۱۱۷، از مسعود احمد بی۔ایس۔سی، طبع ۱۹۹۷ء)

جماعت المسلمین کے خود ساختہ توحیدی عقائد میں ایک عقیدہ یہ تھا کہ اللہ کے ماسواء کسی کو سرور کائنات نہیں کہنا چاہئے۔ اب تیسرا نظریہ ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ کے ماسواء کسی کو مولانا نہیں کہنا چاہیے۔ ناموٰلی اور مولانا کا لفظ غیر اللہ کے لئے درست ہے۔

مسعود احمد صاحب تبرائیوں کی طرح اپنی جہالت کو چھپانے کی خاصی مہارت رکھتے ہیں۔ جس آیت یا حدیث کا مطلب و مفہوم ان کے مفاد میں بہتر ہو، اسے بانگِ دہل بیان کرتے ہیں اور جو آیت یا حدیث مبارکہ ان کے مکروہ چہرے کا نقاب الٹ رہی ہو۔ اس کی بے جا تاویلات حتیٰ کہ تحریف کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

مسعود احمد صاحب پیدائشی طور پر علمی یتیم، عقلاً مفلوج اور عملاً کنگال ہیں اور مسلمان کبھی کبھی ان عیوب ثلاثہ کے مظہر کو اپنا مقتداء نہیں بناتے۔ بلکہ دینی قیادت وسیادت اس شخص کو دیتے ہیں۔ جو عالم باعمل، سمجھ دار اور دور اندیش ہو۔ جسے عرفِ عام میں مولانا کہتے ہیں اور یہ لفظ علماء کے ساتھ خاص ہو چکا ہے، جیسے ''علیہ الصلوٰۃ والسلام'' انبیاء کے لئے ''رضی اللہ عنہ'' صحابہ کے لئے اور ''رحمۃ اللہ علیہ'' اولیاء کے لئے مختص ہو چکا ہے۔

اب جو آدمی بھی دینی قیادت کا مدعی ہو، لوگ دیکھتے ہیں کہ آیا یہ مولانا (عالم دین) ہے یا نہیں؟ خون اور پیشاب کی تحقیق کرنے والے باسی ذہنیت کے ڈاکٹر کو وہ کبھی بھی یہ منصب نہیں دیتے کہ وہ ان کا دینی پیشوا بن جائے۔ لہٰذا مسعود احمد بی۔ایس سی نے سوچا کہ کسی طرح لوگ مجھے راہنما بھی مان لیں اور میری جہالت پر حرف گیری بھی نہ ہو۔ اس کے لئے اس نے یہ چال چلی کہ مولانا جو کہ عالم دین ہونے کی علامت ہے۔ یہ اللہ کے ماسواء کسی کے لئے بولنا جائز نہیں اور قرآن پاک کی وہ آیات جن میں مولیٰ کا لفظ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے استعمال ہوا۔ وہ آیات لکھیں اور دو احادیث سے اپنا مطلب کشید کر کے کہنے لگا کہ مولیٰ کا لفظ اللہ کے ماسواء کسی پر بولنا جائز نہیں۔

حالانکہ اس علمی بونے کو یہ معلوم نہیں کہ ایک لفظ جب ان کی نسبت بدل جائے تو اس کا حکم اور مطلب بدل جاتا ہے۔ مثلاً پوری امت مسلمہ خلیفہ اوّل سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کہتی ہے جس کا معنی ہے سب سے بڑے سچے یا سب سے زیادہ سچ بولنے والے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''**ومن اصدق من اللہ قیلاً** (النساء:۱۲۲)''

اللہ سے زیادہ سچا کون ہے؟ تو کیا اب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو صدیق کہنا چھوڑ دیا جائے؟ نبی کریم ﷺ کا لقب الصادق الامین تھا کیا صدیق اکبر کہنے سے نبی کریم ﷺ کی بے ادبی لازم آتی ہے؟ نہیں ہر گز نہیں۔ بلکہ صدیق اکبر کا سب سے زیادہ سچا ہونا بہ نسبت دوسرے صحابہ کے ہے۔ بمقابلہ پیغمبر کے نہیں اور نہ کہ اللہ تعالیٰ کہ مقابلے میں تو یہ شرک نہ ہوا۔

دوسری مثال: حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کو فاروق اعظم کہا جاتا ہے۔ یعنی سب سے بڑے فرق کرنے والے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرقان یعنی فرق کرنے والی کتاب میں نے نازل فرمائی ہے، تو کیا آپ فاروق اعظم بمقابلہ کتاب اللہ کے ہیں؟ نہیں ہر گز نہیں بلکہ وہ فاروقِ اعظم بہ نسبت بقیہ اصحاب پیغمبر کے ہیں نہ کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے مقابلہ میں۔

تیسری مثال: حضرت نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کو امام اعظم کہا جاتا ہے، تو یہ امام اعظم، رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں ہر گز نہیں۔ جو ایسا کہتا ہے اس کی عقل گھاس چرنے گئی ہے۔ بھلا نبی اور امتی کا کیا مقابلہ؟ ابو حنیفہ امام اعظم ہیں۔ بہ نسبت تین ائمہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے، نا کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں۔ بالکل ایسے جیسے محمد علی جناح کو اگر قائد اعظم کہا جاتا ہے تو دوسرے مسلم لیگی لیڈروں کہ مقابلہ میں، نا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے مقابلے میں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ نسبت کہ بدلنے سے حکم بدل جاتا۔ ایسے ہی لفظ مولا یا مولانا کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی تو معنی ہوگا ہمارا پروردگار، کارساز، رب وغیرہ اور اس لفظ کی نسبت کسی انسان کی طرف ہوگی تو معنی ہوگا عالم دین۔ قرآن وسنت کا ماہر وغیرہ۔

اور مسعود احمد (بی۔ایس۔سی) چونکہ اہل علم کے محلے سے گزرنے کا بھی روادار نہیں۔ لہٰذا اس کے لئے مولانا کا لفظ بولنا واقعی جائز نہیں۔ رہا مسعود احمد صاحب کا انگور کھٹے ہیں کے مصداق، اپنی جہالت پر پردہ ڈال کر کہنا کہ مولانا یا مولیٰ کا اطلاق اللہ کے غیر پر درست نہیں۔

آیئے قرآن وحدیث کے مطابق اس کا تجزیہ کرتے ہیں کہ آیا مولیٰ یا مولانا کا لفظ اللہ کے علاوہ کسی اور پر بھی بولنا جائز ہے کہ نہیں؟ مزید یہ کہ اس وقت جب مولیٰ یا مولانا کا لفظ کسی اور کے لئے استعمال ہوگا تو اس کا معنی کیا ہوگا۔

”وضرب اللہ مثلا رّجلین احدھما ابکم لا یقدر علی شیءٍ و ھو کلٌّ

**علی مولاہُ (النحل:۷۶)** ’’﴿اللہ تعالیٰ دوآدمیوں کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک تو گنہگار ہے کوئی کام نہیں کرسکتا اور اپنے مولیٰ، مالک پر بوجھ ہے۔﴾

اب اللہ تعالیٰ خود اپنی کلام میں لفظ مولیٰ اپنے غیر کے لئے استعمال فرمارہے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ مسعودیوں کی توحیدی عدالت میں خداوند تعالیٰ پر کون سی فرد جرم عائد ہوتی ہے۔

## دلیل نمبر:۲

’’**وانی خفت الموالی من ورائی (مریم:۵)**‘‘﴿اور میں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے اندیشہ رکھتا ہوں۔﴾

اس آیت میں رشتہ داروں کو موالی کہا گیا ہے۔ جو جمع ہے مولیٰ کی۔ اس آیت مبارکہ نے مسعود احمد بی. ایس.سی میڈان کراچی کی توحید کے تاروپود بکھیر دیئے ہیں۔

## دلیل نمبر:۳

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: ’’**فان اللّٰہ ھو مولاہ وجبریل و صالح المؤمنین والملآئکۃ بعد ذالک ظھیر (التحریم:٤)**‘‘﴿تو بے شک پیغمبر کا رفیق اللہ اور جبرائیل ہیں اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے مددگار ہیں۔﴾

آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مولیٰ کا لفظ اپنے لئے، جبرائیل کے لئے اور نیک مسلمانوں کے لئے بول کر مسعود صاحب کی دل شکنی فرمائی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ مولیٰ یا مولانا کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ماسواء کسی دوسرے پر بولنا جائز نہیں ہے۔

## دلیل نمبر:۴

’’**مأواکم النار ھی مولاکم و بئس المصیر (الحدید:١٥)**‘‘﴿تم سب کافروں کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہی تمہارا رفیق ہے، اور برا ٹھکانا ہے۔﴾

اس آیت میں دوزخ کی آگ پر مولا کا لفظ بولا گیا ہے۔ اب معلوم نہیں یہ آیت پڑھ کر مسعود صاحب کے دل میں تحریف وتلبیس کی کیا پھل جھڑیاں پھوٹتی ہوں گی۔

## دلیل نمبر:۵

’’**فان لم تعلموا آبائھم فاخوانکم فی الدین و موالیکم (الاحزاب:٥)**‘‘

﴿اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دین کے بھائی ہیں اور دوست ہیں۔﴾

اس آیت مبارکہ میں مجہول التعارف مسلمان کواللہ تعالیٰ نے ہمارا دینی بھائی قرار دیا ہےاورانہیں موالی بمعنی دوست کہہ کرپکارنے کاحکم دیا ہے۔

## دلیل نمبر:۶

”عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: مولی القوم من انفسهم“

(بخاری:رقم الحدیث ٦٧٦١، باب مولی القوم من انفسهم)

نبی کریم ﷺ نے قوم کے آزاد کردہ غلام کوقوم ہی شمار فرمایا ہےاورغلام کے لئے مولیٰ کالفظ استعمال فرمایا ہے۔

## دلیل نمبر:۷

”وقال البراء رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ أنت اخونا و مولانا“(بخاری رقم الحدیث٢٦٩٩، مسلم١٧٨٣، ترمذی١٩٠٤، باب مناقب زید بن حارثه رضی اللہ عنہ مولی النبی ﷺ)

﴿رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تو ہمارا بھائی بھی ہے اور مولانا بھی۔﴾

مولانا کالفظ غیراللہ پر، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔اب مسعودی شریعت میں نبی آخری الزمان پر کیا حکم لاگو ہوگا؟ اب معلوم نہیں مسعود احمد بی.ایس.سی نبی کریم ﷺ کو منصب نبوت پر باقی رکھتا ہے یا معزول کر دیتا ہے۔

خداجب عقل لیتا ہےتوحماقت آہی جاتی ہے ائمہ پر تبراء سے ضلالت آہی جاتی ہے

## دلیل نمبر:۸

”عبداللّٰه عن عبدالله بن عمرو رضی الله عنه....سمعت رسول الله ﷺ یقول استقرؤا القرآن من اربعةٍ:من عبدالله بن مسعود فبدأبه و سالمٍ مولی ابی حذیفة و ابیّ بن کعب و معاذ بن جبل“(بخاری رقم الحدیث:۳۷۵۸)

﴿رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار آدمیوں سے قرآن پڑھو۔عبداللہ بن مسعوداور سالم جومولیٰ آزادکردہ غلام ہے۔ابی حذیفہ کااورابی بن کعب سےاورمعاذ بن جبل سے۔﴾

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے حضرت سالم کے لئے مولیٰ کالفظ استعمال فرمایا ہے۔

## دلیل نمبر:۹

**''اخبرنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ما قال: کان عمر یقول ابوبکر سیدنا واعتق سیدنا یعنی بلالا''** (بخاری ج ارقم الحدیث:۳۹۵۴)

اس حدیث مبارکہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوصدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو اپنا سید، سردار اور آقا قرار دیا اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر باب قائم کیا ہے کہ بلال بن رباح رضی اللہ عنہ یہ مولیٰ ہے ابوبکر کا۔ یہاں بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے لئے مولیٰ کا لفظ بولا گیا ہے۔ جو مسعود احمد کے نظریے کے خلاف ہے۔

## دلیل نمبر:۱۰

**''عن شعبة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من کنت مولاہ فعلی مولاہ''**

(جامع ترمذی ج۲ رقم الحدیث:۳۹۵۴)

﴿نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کا مولیٰ ہے۔﴾

تو جناب مسعود احمد بی.ایس سی کی فرسودہ اور ملحدانہ تعلیمات پر ایمان لانے والوں کو ان دس مضبوط ترین دلائل کے بعد بھی آپ حضرات مسعود احمد کی باسی کڑھی نام نہاد دستر خواں توحید پر سجائے دعوت طعام دیتے رہیں گے اور لفظ مولانا کے استعمال کو کفر، شرک بتلا کر عاقبت برباد کرتے رہیں گے؟

## تصوف اور جماعت المسلمین

جیسا کہ پہلے وعدہ کیا تھا کہ جماعت المسلمین کی مسندِ امامت پر جلوہ افروز اشتیاق احمد صاحب کا پس منظر اور تہہ منظر تحریر کروں گا۔ تاکہ حقیقت آشکارا ہو جائے کہ جن کی نظروں میں کوئی انسان جچتا نہیں، خود دین و دنیا کی نظر میں وہ کس کیٹا گری کے لوگ ہیں۔ بانی جماعت المسلمین مسعود احمد (بی.ایس سی) جنہوں نے تزکیہ نفس کو شریعت کا ابطال اور کھلم کھلا شریعت سے غدار قرار دیا۔ (توحید المسلمین ص ۳۲۰)

## شکیل کی کہانی

شکیل احمد عبداللہ وہ شخص ہے جو کوثر نیازی کالونی ناظم آباد کراچی نمبر ۳۳ میں تیار ہونے والے جدید اسلام رجسٹریشن نمبر ۳۶۶/۱۹۸۵ قبول کر کے جماعت المسلمین میں شامل ہوا۔

۲۷؍جون ۱۹۹۴ء کو سمیرا نامی لڑکی سے شادی ہوئی۔ جو جماعت المسلمین کی رکن تھی۔ ۲۶؍اپریل ۱۹۹۸ء کو امیر جماعت اشتیاق احمد نے فسخ نکاح کا سرٹیفکیٹ دے کر اس کی بیگم ''امیرانہ اختیارات'' استعمال کرتے ہوئے غصب کر لی۔ اب بقیہ تفصیلات شکیل احمد عبداللہ کی زبانی سنئے:

## میری فریاد اراکین جماعت المسلمین کے نام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امابعد! محمد اشتیاق صاحب نے فسخ نکاح اور اس کے دلائل پمفلٹ میں فسخ نکاح کے دلائل دیے ہیں۔ وہ میرے معاملے میں درست نہیں ہیں۔ کیونکہ میری شادی کو چار سال عرصہ ہو چکا ہے اور میں ایک بچے کا باپ بھی ہوں۔ میری شادی سمیرا اور اس کے باپ کی رضامندی سے ۲۷؍اپریل ۱۹۹۴ء کو ہوئی اور فسخ نکاح کا سرٹیفکیٹ محمد اشتیاق نے مجھے ۲۶؍اپریل ۱۹۹۸ء کو دیا۔

محمد اشتیاق صاحب ''فسخ نکاح کے سرٹیفکیٹ'' میں لکھتے ہیں: آپ دونوں کے درمیان مسلسل اختلاف اور عدم محبت کی وجہ سے نباہ نہ ہو سکا اور آپ دونوں بھی اس بات کے متمنی تھے کہ شادی کی یہ گاڑی چل نہ سکے گی۔ لہٰذا آپ دونوں کے حالات کو دیکھتے ہوئے آج بتاریخ ۲۷؍ذوالحجہ کو میں نکاح فسخ کرتا ہوں۔''

میرا سمیرا سے نہ تو اختلاف تھا اور نہ عدم محبت تھی۔ اگر یہ باتیں ہوتیں تو میں اسے طلاق دے دیتا۔ ہاں! البتہ میرا سمیرا سے گھریلو معاملہ میں تکرار ہوئی تھی۔ جو کہ محمد اشتیاق امیر جماعت اور محمد بشارت صاحب نے نومبر ۱۹۹۷ء کو سلطان صاحب کے گھر جا کر میری تمام رنجشیں ختم کرا دیں اور میری صلح کرا دی اور اس کے بعد ہم خوش وخرم زندگی گزارنے لگے۔ لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد سلطان صاحب سمیرا کو میری عدم موجودگی اور اجازت کے بغیر آ کر لے گئے اور ۲۶؍اپریل ۱۹۹۸ء کو امیر جماعت نے مجھے فسخ نکاح کا سرٹیفکیٹ تھما دیا۔ بعد میں میری بیوی سمیرا سے ۶؍جون ۱۹۹۸ء کو اپنا نکاح رچا لیا جو کہ شرعی لحاظ سے بالکل غلط کیا ہے۔ سلطان صاحب کا سمیرا بیگم کو میرے گھر سے لے جانے کے اور فسخ نکاح کے درمیان ایک واقع پیش آیا۔ جو یہ ثابت کرتا ہے کہ محمد اشتیاق کا سمیرا بیگم سے نکاح کا پہلے سے پروگرام بن چکا تھا۔

واقع یہ ہے کہ جب محمد اشتیاق صاحب اور بشارت صاحب نے ہماری صلح کرا دی۔ کچھ عرصے کے بعد محمد صالح بروہی صاحب کراچی آئے اور اچانک ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔

میں ان کو اپنے گھر لے آیا۔ رات تک ان کی طبیعت سنبھلی تو ہم آپس میں بات کرنے لگے۔ محمد صالح مجھے کہنے لگے کہ بھائی! میرے لئے کوئی رشتہ دیکھو، میں نے دوسری شادی کرنی ہے۔ پھر خود ہی کہتے ہیں کہ غریب کو کون رشتہ دے گا؟ اب امیر صاحب ہی کو دیکھ لو دوسری شادی کرنے کی کوشش میں ہیں۔ مگر اب تک رشتہ نہیں مل رہا ہے۔ غریب جو ہیں ابھی اس بات کو دو چار دن ہی گزرے ہوں گے کہ سمیرا نے مجھ سے کہا کہ تم اتنی دیر بعد گھر آتے ہو۔ تم لڑکیوں کے چکر میں ہو۔ میں دراصل رات ساڑھے دس بجے گھر آتا تھا۔ کیونکہ ہمارا جنرل سٹور تھا۔ آپ لوگوں کو معلوم ہوگا کہ جنرل سٹور کی ڈیوٹی کتنی ہوتی ہے اور میں نے سمیرا سے بھی کہا کہ مجھے جنرل سٹور سے تین ہزار ماہانہ مل رہا ہے۔ میں غریب آدمی ہوں۔ دوسری شادی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ امیر بھی بے چارے غریب ہیں۔ اس لئے ان کو بھی دوسری شادی کرنے میں دیر ہو رہی ہے۔ اس بات پر سمیرا نے کہا کہ اگر میں ہوتی تو امیر صاحب سے شادی کر لیتی۔ میں نے جب اسے گھور کر دیکھا تو بات بدلتے ہوئے کہنے لگی، اگر کنواری ہوتی تو کر لیتی۔

میں نے عقیدت میں آ کر یہ بات محمد اشتیاق کو کہہ دی تو انہوں نے فوراً سمیرا سے پوچھوایا۔ پھر دوسری مرتبہ غصے سے مجھ سے پوچھنے لگے کہ تمہیں کون کہہ رہا تھا کہ امیر صاحب کو رشتہ نہیں مل رہا۔ میں نے پوری بات بتا دی۔ اس دوران وہ لاڑکانہ جلسے میں گئے۔ وہاں محمد صالح بروہی سے ان کی ملاقات ہوئی تو ان سے پوچھنے لگے کہ تم نے میرے متعلق ایسی بات کی؟ کہنے لگی کہ امیر صاحب مجھے یاد نہیں شاید کی ہے یا نہیں؟ تو فوراً ان سے کہنے لگے کہ سمیرا کہتی ہے کہ میں امیر صاحب سے شادی کروں گی۔ محمد صالح بروہی صاحب نے اس انداز سے بات کی کہ انہیں اندازہ ہو گیا۔ اب امیر صاحب شکیل کی بیوی سے خود شادی کریں گے۔ انہوں نے یہ بات میرے فسخ نکاح سے پہلے ہی عبدالرحمان سکھر کے امیر کو کہہ دی کہ اب شکیل کی بیوی سے امیر صاحب خود شادی کریں گے۔ عبدالرحمان صاحب نے محمد صالح بروہی سے کہا کہ تم امیر صاحب کے بارے میں ایسی بات کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ فی الحال یہ بات ہم دونوں میں رہے اور آپ دیکھئے گا کہ ہوتا کیا ہے۔ ان کی بات سچ ثابت ہوئی۔ محمد اشتیاق صاحب نے ایک شادی شدہ عورت سے شادی کر لی اور اس شادی کو امیر کا اجتہاد قرار دیتے پھر رہے ہیں۔

دوسری مرتبہ جب میں محمد اشتیاق کے پاس گیا تو غصے سے مجھ سے پوچھنے لگے کہ تم نے محمد صالح صاحب سے کہا تھا کہ امیر صاحب غریب آدمی ہیں۔ میں نے دوبارہ کہا کہ امیر

صاحب! میں نے نہیں کہا صالح صاحب نے کہا تھا۔ پھر غصے سے کہنے لگے، تم نے امیر کو سمجھ کیا رکھا ہے؟ امیر سے زیادہ، امیر کون ہوسکتا ہے؟ میں نے کہا امیر صاحب میں تو خود دوکان سے تین ہزار لیتا ہوں۔ میں کیسے آپ کو غریب کہوں گا؟ مگر محمد اشتیاق صاحب نے اس بات کو دل میں رکھا اور بیہودہ قسم کے الزام جو قابل تحریر نہیں لگا کر مجھے بے بس کر دیا اور فسخ نکاح کا سرٹیفکیٹ مجھے تھما کر کہا کہ تمہارا نکاح اب ختم ہوگیا ہے۔ سمیرا کو جب محمد سلطان صاحب آ کر لے گئے تھے تو اس وقت وہ حمل سے تھی۔ کچھ دنوں بعد محمد اشتیاق نے مجھ سے کہا کہ سلطان صاحب آئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ امیر صاحب اللہ جانتا ہے، ہم نے کچھ نہیں کیا۔ سمیرا کے پچھلے ہفتے طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ اس کا حمل ضائع ہوگیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ملی بھگت سے سمیرا کا حمل گروایا گیا ہے۔ کیونکہ محمد اشتیاق مزید صبر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ سمیرا کا تقریباً دو مہینے کا حمل تھا۔ محمد اشتیاق صاحب نے میرا نکاح فسخ کرنے کے چالیسویں دن میری بیوی سمیرا سے شادی رچالی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ میرے ساتھ محمد اشتیاق صاحب نے دھوکہ کیا ہے۔ حالانکہ حدیث میں ہے: ''**من غش فلیس منا**'' ترجمہ: ''جو شخص دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔'' پھر میں نے فسخ نکاح کی تحقیق کی تو مجھے معلوم ہوا کہ باہم رضامندی کا نکاح امیر جماعت کے متعلق جو میرے دل میں احترام تھا وہ مجروح ہوا۔ میرے ذہن میں یہی تھا کہ امیر نے جو بھی فیصلہ کیا ہے، شریعت کے مطابق کیا ہے۔ جب یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ جماعت کا کوئی فرد مقاطعہ اور کوڑوں کے ڈر کی وجہ سے مجھے امیر جماعت سے انصاف نہیں دلوا سکتا۔ لہٰذا میں مجبور ہو کر کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا۔ لیکن پہلی ہی پیشی سے پہلے جنرل سیکرٹری بشارت جاوید صاحب نے مجھ سے خبیب کے گھر ملاقات کی اور مجھے قائل کرنے کی کوشش کی کہ آپ کے اس اقدام سے جماعت بدنام ہو جائے گی۔ لہٰذا آپ صبر کا مظاہرہ کریں اور جماعت کے مفاد میں آپ اپنا کیس واپس لے لیں اور مجلس شوریٰ کے اراکین اور عہدے داران کے ذریعے بھی مجھ پر بھرپور دباؤ ڈال کر اس کیس کو کورٹ سے خارج کروالیا۔

میں نے جب بشارت کو بتایا کہ محمد اشتیاق کے کہنے پر اپنا کاروبار چھوڑ کر کراچی شفٹ ہوگیا اور یہاں سیٹ ہونے میں مجھے لاکھوں کا نقصان ہوا اور میری بیوی بھی گئی۔ تو انہوں نے اس پر کہا کہ بیوی کے بارے میں صبر کرو۔ مگر مالی مشکلات کا ازالہ ہوسکتا ہے۔ میرے نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے اسلم پردیسی کی طرف سے دو لاکھ کا چیک ملا۔ لیکن میرے ضمیر نے اس کو قبول نہیں کیا اور وہ روپے میرے پاس آج بھی امانت ہیں۔ چیک کی فوٹو کاپی جس پر اسلم پردیسی کے دستخط موجود

ہیں، وہ میں اس خط میں شائع کر رہا ہوں۔ کیونکہ مجھے انصاف چاہئے، روپے نہیں چاہیں اور وہ رقم میں ہر وقت اسلم پردیسی کو واپس دینے کو تیار ہوں۔

جس کرب سے میں اس وقت گزر رہا ہوں کہ میرا گھر برباد ہوگیا۔ ایک معصوم بچے سے اس کی ماں کو جدا کر دیا گیا۔ یہ صرف اور صرف محمد اشتیاق نے اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے یہ ظلم کی انتہا کی ہے۔ لہٰذا میں اپنے دکھ کا اظہار آپ حضرات سے کرنے پر مجبور ہوں۔ کیونکہ ایک عرصے تک میں اپنے غم کو برداشت کرتا رہا ہوں۔ لیکن اب وہ غم میری قوت برداشت سے باہر ہو چکا ہے۔ جب میں اپنے معصوم بچے کو ماں کے لئے تڑپتا ہوا دیکھتا ہوں تو اس وقت میرا سینہ غم کی شدت سے پھٹنے لگتا ہے۔ لہٰذا میں آپ معزز اراکین جماعت المسلمین کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش کر رہا ہوں۔ اگر اب بھی مجھے انصاف نہ ملا تو میں ہر دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ جہاں سے مجھے انصاف ملنے کی توقع ہوگی۔ آپ کا مسلم بھائی شکیل احمد

(نوٹ) اس خط کی اشاعت کے بعد میرے کسی عزیز یا مجھے کسی بھی قسم کا نقصان ہوا تو اس کی تمام تر ذمہ داری امیر جماعت محمد اشتیاق اور اسلم پردیسی پر ہوگی۔ رابطے کے لئے میرا ایڈریس یہ ہے: شکیل احمد معرفت محمد یعقوب مکان نمبر ۴۹: ۶۳۱۔c مکی شاہ کالونی نزد میڈیکل بورڈ آفس سکھر سندھ۔ فون ۷۱۴۰۷۱ ۵۸۲۴۰

تزکیہ نفس نہ ہو تو پھر ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ جاتی ہے۔ بانی جماعت المسلمین، مسعود احمد بی۔ ایس۔ سی نے عقل وخرد کے خلاف اپنی تحقیق پیش کرنے کے بعد تصوف پر ہاتھ صاف کرنا بھی توحید المسلمین کے لئے ضروری سمجھا اور تصوف کی خودساختہ تعریف کر کے اپنی کفرسازی کے پریس میں کفروشرک کے فتوے چھاپنا شروع کر دیئے۔ نامعلوم اس کی زبان اور قلم کفروشرک کے علاوہ بولنے اور لکھنے سے عاجز کیوں ہے؟ اپنی خودساختہ ''توحید المسلمین'' کے ص ۳۱۹ پر رقم طراز ہے: تصوف ایک ایسی چیز ہے، جس سے پورے دین کا اہمال اور پوری شریعت کا ابطال لازم آتا ہے۔ شریعت کی جگہ ایک اور چیز لے لیتی ہے، جس کو طریقت کہتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا جرم ہے اور کتنا بڑا کفر ہے۔

اور مزید گوہرافشانی کرتے ہوئے جناب مسعود احمد صاحب فتویٰ دیتے ہیں کہ:

''الغرض تصوف کا سارا تانا بانا کفر ہی کفر ہے۔'' توحید المسلمین ص ۳۲۱ طبع ۱۹۹۷ء

اب آیئے! پہلے تصوف کی تعریف پھر اس کی اہمیت دیکھتے ہیں۔ بعد میں اس کفریہ

فتوے سے موازنہ کریں گے کہ مسعود صاحب کے ہوش وحواس کس قدر مفلوج ہیں اور وہ کس خارستان میں وہ آبلہ پائی فرمارہے ہیں۔

’’علم التصوف ویقال له علم الحقیقة ایضا ای تزکیة النفس عن الخلاق الردیة وتصفیة القلب عن الاغراض الاٰنیه‘‘ (کشف الفنون ج۱ص۴۱۳)

باطن کی صفائی اور باطنی گندگیوں اور کدورتوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کا نام تصوف ہے۔ اسے تزکیہ نفس بھی کہتے ہیں۔ اسی تزکیہ نفس اور باطنی پاکیزگی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتا ہے کہ: ’’حضرت علی رضی اللہ عنہ نے علم سفینہ یعنی ظاہری شریعت کا اقرار کیا ہے اور علم سینہ یعنی باطنی کا انکار کیا ہے۔ تعجب ہے کہ پھر بھی سینہ بہ سینہ علم کا دعویٰ بدستور موجود ہے اور کھلم کھلا شریعت کے ساتھ غداری کی جارہی ہے۔‘‘ (توحید المسلمین ص۳۲۰ تا۳۲۱)

باطنی طہارت اور پاکیزگی کو شریعت کے ساتھ غداری قرار دینا کس قدر حماقت اور علم شریعت سے جہالت کی دلیل ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ’’قد افلح من تزکیٰ‘‘ (الاعلیٰ:ص۱۴)

اپنا تزکیہ کر لینے والا حقیقتاً کامیاب ہوگیا۔ یعنی قرآن مجید کی تعلیمات کی برکت سے عقائد باطلہ اور اخلاق رزیلہ سے خود کو پاک کر لینے والا شخص ہی بامراد ہے۔ اسی کا نام تصوف ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ’’وذروا ظاهر الاثم وباطنه (الانعام:١٤)‘‘ ﴿کہ ظاہری گناہ بھی اور باطنی گناہ بھی چھوڑ دو۔﴾

اور اللہ تعالیٰ نے تصوف جس کا دوسرا نام تزکیہ نفس ہے، اس کو مقاصد نبوت میں سے ایک اہم مقصد قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہے: ’’ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمه‘‘

یعنی انبیاء کی ذمہ داری ہے کہ کتاب وسنت کی تعلیم دیں اور امت کو اخلاق رزیلہ سے بھی پاک کریں۔ چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’قال الامالك من تفقه ولم یتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم یتفقه فقد زندق ومن جمع بینهما فقد تحقق‘‘ (مرقات ج۱ص۵۲۶)

یعنی آدمی کے فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس تصوف ضروری ہے۔ ورنہ ابتلاء مصیبت کا اندیشہ ہے اور تصوف تزکیہ نفس کے ساتھ علم ضروری ہے۔ ورنہ آدمی کے زندیق ہوجانے

کا اندیشہ ہے۔ جب علم وتصوف دونوں چیزیں مل جائیں آدمی محقق بن جاتا ہے۔ جس طرح ظاہری گناہوں کو چھوڑنا فرض عین ہے، بالکل اسی طرح باطنی گناہوں سے دل کو پاک کرنا فرض ہے۔ اصلاح عقائد کا تعلق باطن سے ہے اور شہوات نفسانیہ جو بندہ کو خدا سے دور کرتی ہیں، یہ بھی باطن ہی میں جنم لیتی ہیں۔ لہٰذا ان کا پہچاننا اور ان کا تدارک کرنا ضروری ہے۔ ان باطنی اخلاق رزیلہ کے بارے میں مذکور ہے: ''**وازالتها فرض عين ولا يمكن الا بمعرفة حدودها واسبابها وعلاماتها وعلاجها فان من لا يعرف الشر يقع فيه**'' (ردالمختار ج۱ص۳۰)

ان اخلاق رزیلہ کا خاتمہ فرض عین ہے اور ان کا ازالہ بغیر اس کی حدود واسباب اور علامات کے جانے ممکن نہیں۔ اس لیے کہ جو شر کو نہ پہچانتا ہو، وہ شر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی شر اور گناہوں کو پہچاننے کا نام علم تصوف ہے۔ تفہیمات الٰہیہ میں مذکور ہے: ''**وتصحيح الاخلاص والاحسان هما اصل الدين الحنيف الذى ارتضاه الله العباد ه قال الله تبارك وتعالٰى: وما أمروا الّا ليعبد الله مخلصين له الدين، انهم كانوا قبل ذالك محسنين**''

دین حنیف یعنی دین اسلام کی اصل اخلاص اور احسان تصوف کی تصحیح کرنا ہے۔ دین حنیف وہ ہے جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پسند کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بندوں کو نہیں حکم دیا گیا۔ مگر یہ کہ وہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی۔ خالص رکھتے ہوئے دین کو۔ ان آیات بینات سے ثابت ہوا کہ تصوف یعنی تزکیہ نفس تو مامور شرعی ہے اور اللہ کے نازل کردہ حکم کو کفر وشرک قرار دینا یہی توحید ہے۔ جس کا درس مسعود صاحب اپنے متبعین کو دینا چاہتے ہیں۔ اس بے باکی کا نتیجہ مسعود احمد کے جانشین اشتیاق احمد کا وہ معرکہ جس میں انہوں نے اپنے ایک مسلم کی خوبصورت بیوی کو ہائی جیک کرلیا اور وہ اب تک دربدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔

فرصت کبھی ملی تو سنائیں گے داستان کیا کیا ستم ہوئے ہیں یہاں رہبری کے ساتھ

## مسئلہ رفع الیدین اور جماعت المسلمین

امت مسلمہ کے تمام مسالک کے برعکس مسعود احمد نماز میں رفع الیدین کو فرض قرار دیتے ہوئے کہتا ہے: نماز میں چار جگہ رفع الیدین فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

(صلوٰۃ المسلمین ضمیمہ رفع الیدین خلاصہ تلاش حق ص۷۹)

اہل السنۃ والجماعت اور مسئلہ رفع الیدین: نماز پنجگانہ شروع کرتے وقت صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا جائے۔اس کے علاوہ باقی پوری نماز میں نہ کیا جائے۔ رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنا خلاف سنت ہے۔(بدائع الصنائع ج۱ ص۲۰۸، **فصل وما سننها فثِير**، فتاوی عالمگیری ج۱ص۷۲، **الفصل الثالِث فی سننِ الصلوۃ وآدابِها ویفیتِها)**

احادیث مبارکہ: احادیث مرفوعہ:

دلیل نمبر۱: ''**قال الامام الحافظ المحدث ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی الدارقطنی م۳۸۵ھ: روی عبد الرحِیمِ بن سلیمان عن ابِی بکر النهشلِیِ عن عاصِمِ بنِ کلیب، عن ابِیه [عن علِی، عنِ النبِیِ ﷺ: انه کان یرفع یدیهِ فِی اوّلِ الصلاِة ثم لا یعود. اسناده صحیح ورواته ثقات**''

(کتاب العلل للدارقطنی ج۴ص۱۰۶سوال۴۵۷)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ شروع نماز میں رفع الیدین کرتے تھے اور دوبارہ پھر نہیں کرتے تھے۔

## نماز تراویح اور جماعت المسلمین

مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں کہ: تراویح ایک رکعت بھی کافی ہے۔ (منہاج المسلمین)

مذہب اہل السنّت والجماعت: تراویح بیس رکعت سنت موکدہ ہے۔

## دلائل

احادیث مرفوعہ:

دلیل: ''**قال الامام الحافظ المحدث ابوبکر عبد الله بن محمد بن ا بی شیبة العبسی االکوفی (م۲۳۵ھ) حدثنا یزِید بن هارون، قال: ا خبرنا براهِیم بن عثمان، عنِ الحکمِ، عن مِقسم، عنِ ابنِ عباس : ن رسول اللّٰهِ ﷺ کان یصلِی فِی رمضان عِشرِین رکعة والوِتر**''

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔

**تحقیق السند: اسناده حسن وقد تلقته الامة بالقبول فهو صحیح (مصنف ابن ابی شیبة ج۲ ص۲۸٤، باب م یصلی فِی رمضان مِن رع المعجم، الکبیر للطبرانی ج۵ ص۴۳۳ رقم۱۱۹۳٤، المنتخب من مسند عبد بن حمید ص۲۱۸ رقم۶۵۳، السنن البر للبیهقی ج۲ ص۴۹۶، باب ما روِی فی عددِ رکعاتِ القِیامِ فِی شهرِ رمضان)**

## احادیث موقوفہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تعدادِ رکعتِ تراویح: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی تراویح کی تعداد رکعت بیان کرنے والے چھ حضرات ہیں۔ یہ تمام حضرات بیس رکعات ہی روایت کرتے ہیں۔ (مضطرب وضعیف روایات کا کوئی اعتبار نہیں) ذیل میں روایات پیش خدمت ہیں:

## (۱) حضرت ابی بن کعب:

**''عن ابی بن کعب ان عمر امر ابی ان یصلی بالناس فی رمضان فقال ان الناس یصومون النهار ولا یحسنون ان یقرؤا فلو قرأت القرآن علیهم باللیل فقال یا امیر المؤمنین هذا شیء لم یکن فقال قد علمت ولکنه احسن فصلی بهم عشرین رکعة''**

ترجمہ: ابی بن کعب سے مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابی کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں نماز پڑھائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ وہ قرأت کرنا اچھی طرح نہیں جانتے۔ اگر آپ ان کو قرآن پڑھا دیں رات کے وقت تو ابی نے کہا کہ اے امیر المؤمنین یہ ایسا کام ہے جو ہوتا نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں لیکن یہ بہت اچھا ہے تو ابی نے لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے۔ اسنادہ صحیح ورواتہ ثقات۔ **(مسند احمد بن منیع بحواله اتحاف الخیر المهر للبوصیری ج۲ ص۴۲٤، باب فی قیام رمضان وما روی فی عدد رکعاته)**

## حرمین شریفین اور بیس رکعات تراویح:

اسلام کے دو مقدس حرم، حرم مکہ وحرم مدینہ میں چودہ سو سال سے بیس رکعت سے کم تراویح پڑھنا ثابت نہیں۔ بلکہ بیس رکعت ہی متوارث ومتواتر عمل رہا ہے۔ چنانچہ مسجد نبوی کے

مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے سابق قاضی شیخ عطیہ سالم نے مسجد نبوی میں نماز تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر التراویح اکثر من الف عام کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف فرما کر ثابت کیا ہے کہ چودہ سو سالہ مدت میں بیس رکعت متواتر عمل ہے اس سے کم ثابت نہیں۔ جامعہ ام القری مکہ مکرمہ کی طرف سے کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ مکہ مکرمہ کے استاد شیخ محمد علی صابونی کا ایک رسالہ ''الھدی النبوی الصحیح فی صلوۃ التراویح'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ جس میں شیخ صابونی نے عہد خلافت راشدہ سے لے کر عہد حکومت سعودیہ تک مکہ مکرمہ و مسجد حرام میں ہمیشہ بیس رکعات تراویح پڑھے جانے کا ثبوت دیا ہے۔ لہٰذا بیس رکعات تراویح ہی سنت مؤکدہ ہے۔

## تین طلاق اور جماعت المسلمین

تین طلاق کے واقع ہو جانے کے بعد شرعی حلالہ کی بجائے حرامہ کو فروغ دینے والوں میں جس طرح روافض قادیانی اور چند بے علم، کم علم اور بے ہنر لوگ پیش پیش ہیں ''جماعت المسلمین'' بھی اس کار شر میں پیش پیش ہے۔ مسعود احمد لکھتا ہے: ''ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی ہیں۔'' (جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینہ میں ص ۱۱۷)

## مذہب اہل السنۃ والجماعۃ:

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق یا ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاق تین شمار ہوتی ہیں۔ بیوی خاوند پر حرام ہو جاتی ہے اور یہ بغیر حلالہ شرعی کے شوہر اوّل کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔

(الہدایہ ج ۲ ص ۳۵۵، باب طلاق السنن، فتاوی عالمگیریہ ج ۱ ص ۳۴۹، کتاب الطلاق الباب الاوّل، الدر المختار ج ۳ ص ۲۳۲)

## اجماع امت اور جماعت المسلمین

ڈاکٹر مسعود صاحب اپنی خود ساختہ شریعت میں اجماع کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''اجماع امت کا ماخذ سراسر بے بنیاد ہے۔''

(جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینہ میں ص ۶۵۹)

## (۱) الاجماع

''فِی اللغۃِ یراد بِہِ تارۃ العزم یقال: أجمع فلان کذاأ و أجمع علی

**کذا اِذا عزم علیہِ وتارۃ یراد بِہِ الاتِفاق فیقال : أجمع القوم علی کذا أ یِ اتفقوا علیہِ ، وعنِ الغزالِی أ نہ مشترک لفظِی ''**

**(المستصفی للغزالی ج۱ ص۱۷۳، طبع الامیریۃ بولاق)**

ترجمہ: لغت میں کبھی اس سے عزم مرادلیا جاتا ہے۔کہا جاتا ہے فلاں آدمی نے اس طرح عزم کیا یا اس آدمی کے کام کا عزم ہے۔ یہ اسوقت بولا جاتا ہے کہ جب وہ اس کام پر عزم کرے ''**اجمع فلان کذا**'' اور کبھی اس سے اتفاق مرادلیا جاتا ہے۔جیسے کہا جاتا ہے کہ قوم نے اس بات پر اتفاق کیا۔یعنی وہ اس بات پر متفق ہو گئے اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ لفظی طور پر مشترک ہے۔

**''وقِیل اِن المعنیٰ الاصلِی لہ العزم والاتِفاق لازِم ضرورِی اِذا وقع مِن جماعۃ والاِجماع فِی اصطِلاحِ الاصولِیین اتِفاق جمِیعِ المجتہِدِین مِن ا متِ محمد ﷺ فِی عصر ما بعد عصرِہِ ﷺ علی ا مر شرعِی والمراد بِالامرِ الشرعِی: ما لا یدرک لولا خِطاب الشارِعِ سواء أکان قولا أم فِعلاأ مِ اعتِقادا أم تقرِیرا''** **(معجم لغۃالفقہاء)**

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ اجماع کا معنی اصلی عزم کا ہے اور اتفاق لازمی اور ضروری ہے جب یہ جماعت کی طرف سے صادر ہو اور اصولین کی اصطلاح میں اجماع کہا جاتا ہے کہ امت محمد یہ میں سے تمام مجتہدین کا حضور ﷺ کے زمانہ کے بعد کسی زمانہ میں کسی امر شرعی پر اتفاق کر لینا اور امر شرعی سے مراد یہ ہے کہ اس میں شارع کی طرف سے خطاب نہ ہو تو اس کا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔چاہے وہ (امر شرعی) امر شرعی قولی ہو یا فعلی ہو یا اعتقادی ہو یا تقریری ہو۔

**المؤلف: محمد رواس قلعجی حامد صادق قنیبی**

## حجیۃالاجماع: اجماع کا حجت ہونا

**(۴)''الاجماع حجۃ قطعِیۃ علی الصحِیح واِنما یکون قطعِیا حیث اتفق المعتبِرون علی ا نہ اِجماع لا حیث اختلفوا کما فِی الاِجماعِ السکوتِیِ وما ندر مخالِفہ''**

ترجمہ: اجماع حجت قطعی ہے۔صحیح قول کے مطابق اور اس حیثیت سے قطعی ہوتا ہے کہ جب معتبرین کا اتفاق ہو جائے۔اس بات پر کہ یہ اجماع ہے نہ کہ اس حیثیت سے کہ جب وہ

اختلاف کرے۔ جیسا کہ اجماع سکوتی میں ہے اور اس کے مخالف بہت کم ہیں۔

(ارشاد الفحول للشوکانی)

## اِنکار الاجماع: اجماع کا انکار کرنا

(۷) ''قِیل: یکفر منکِر حکمِ الإجماعِ القطعِي وفصل بعض الاصولِیین بین ماکان مِن ضروریاتِ دِینِ الإسلامِ وھو ما یعرِفه الخواص والعوام مِن غیرِ قبول لِلتشکِیکِ کوجوبِ الصلاةِ والصومِ وحرمةِ الزِنا والخمرِ فیکفر منِکره ، وبین ما سِوی ذلكِ فلا یکفر منِکره ،کالإجماعِ علی بعضِ دقائِقِ عِلمِ المواریثِ التِی قد تخفی علی العوامِ''

(تیسیر التحریر لامیر بادشاہ ج۳ ص۲۰۹،ط دار الفکر)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ اجماع قطعی کے حکم کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا اور بعض اصولین نے تفصیل بیان کی ہے۔ ان امور کے درمیان جو دین اسلام کی ضروریات میں سے ہیں اور ان کو عوام اور خواص سب جانتے ہیں۔ بغیر شک وشبہ میں پڑنے کے قبول کرنے کے بغیر جیسا کہ نماز، روزہ کا وجوب اور زنا وشراب کی حرمت تو ان امور کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا اور ان امور کے درمیان (تفصیل کی ہے) جو اس کے علاوہ ہیں۔ ان کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔ جیسا کہ علم میراث کے بعض پیچیدہ مسائل پر اجماع ہے۔ وہ مسائل کہ جو عوام پر مخفی ہوتے ہیں۔

''وفرق فخر الإسلامِ بین الإجماعِ القطعِي مِن إجماعِ الصحابةِ نصاکإجماعِهِم علی قِتالِ مانِعِی الزکاةِ أو مع سکوتِ بعضِهِم فیکفر منِکره وبین إجماعِ غیرِهِم فیضلل رتبة الإجماعِ بین الادِلةِ''

ترجمہ: اور فخر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرق بیان کیا ہے۔ اجماع قطعی کے درمیان جو کہ صحابہ کے اجماع میں سے نص کے طور پر ہے۔ جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مانعین زکوٰۃ کے ساتھ قتال کرنے پر اجماع کرنا یا اس میں سے بعض کا خاموش رہنا تو اس اجماع کا منکر کافر قرار دیا جائے گا۔ (اور فرق کیا ہے) صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ دوسرے لوگوں کے اجماع میں پس دلائل سے اجماع کے مرتبے کے لحاظ سے اس کو گمراہ قرار دیا جائے گا۔

## فقہ اور جماعت المسلمین

بانی سلسلہ جماعت المسلمین مسعود صاحب لکھتے ہیں کہ: ''فرقہ وارانہ فقہ کو حجت شرعیہ

سمجھنا ہمارے نزدیک شرک ہے۔'' (جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینہ میں ص ۵۴۰)

## التعریف:

''الفقه فِی اللغةِ: العِلم بِالشیءِ والفهم له والفطِنة فِیهِ، وغلب علی عِلمِ الدِینِ لِشرفِهِ (1) قال تعالی: قالوا یا شعیب ما نفقه کثِیرا مِما تقول (2) وقِیل: هو عِبارة عن کلِ معلوم تیقنه العالِم عن فکِر (3) وفِی الاصطِلاحِ هو: العِلم بِالاحکامِ الشرعِیةِ العملِیةِ المکتسب مِنا أدِلتِها التفصِیلِیة'' (البحر المحیط للزرکشی ج ۱ ص ۲۱)

ترجمہ: لغت میں فقہ کہتے ہیں کہ کسی چیز کا علم ہونا اور اس کو سمجھنا اور اس میں فطانت اور ذہانت کا ہونا اور یہ علم دین پر غالب ہے۔ اس کی شرافت کی وجہ سے۔ (۱) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ''قالوا یاشعیب'' کہ لوگوں نے کہا اے شعیب علیہ السلام کہ جو آپ کہتے ہیں ہم اس میں سے اکثر باتوں کو نہیں سمجھتے۔ (۲) اور کہا گیا ہے کہ فقہ عبارت ہے ہر اس معلوم سے کہ جس پر عالم یقین کرے غور و فکر کر کے۔ (۳) اور اصطلاح میں کہتے ہیں کہ شریعت کے عملی احکام کا جاننا اس کے دلائل تفصیلیہ سے حاصل کئے جائیں۔

## فقہ کی فضیلت

(۵) ''وردت آیات وأحادِیث فِی فضلِ الفِقهِ والحثِ علی تحصِیلِهِ ومِن ذلِك قول اللّٰهِ تعالی: (وما کان المؤمِنون لِینفِروا کافة فلولا نفر مِن کلِ فِرقه مِنهم طائِفة لِیتفقهوا فِی الدِینِ ولِینذِروا قومهم أذا رجعوا إلِیهِم لعلهم یحذرون) (۱) فقد جعل ولایة الإنذارِ والدعوة لِلفقهاءِ وهِی وظِیفة لا لنبِیاءِ علیهِم السلام وقال النبِی ﷺ: من یردِ اللّٰه بِهِ خیرا یفقِهه فِی الدِینِ''

(اخرجہ البخاری فتح الباری ج ۱ ص ۱۶۴)

ترجمہ: بہت ساری آیات اور احادیث میں فقہ کی فضیلت آئی ہے اور اس کے حاصل کرنے پر ابھارنے کے بارے میں وارد ہیں اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ''وما کان المؤمنون'' پس اللہ تعالیٰ نے ڈرانے اور دعوت دینے کا مرتبہ اور ولایت فقہاء کے لئے قرار دیا اور یہ انبیاء علیہم السلام کا حکم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''من یردِ اللّٰه بِهِ خیرا یفقِهه فِی الدِین'' کہ جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کو دین میں سمجھ عطاء فرما دیتے ہیں۔

عن زید بن ثابت، قال: سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول: ''نضر اللہ امرأ سمِع منا حدیثا فحفِظه حتیٰ یبلغه، فرب حامِلِ فقه الی من هو افقه منه، ورب حامِلِ فقه لیس بفقیه''(سنن بی داود المؤلف: ابو داود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السِجِستانی)

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے کہ جس نے ہم سے حدیث سنی اور اس کو یاد کیا۔ یہاں تک اس کو دوسروں تک پہنچایا۔ پس بہت سارے حاملین، فقیہ ان تک پہنچادیتے ہیں، جوان سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔ بہت سارے حاملین فقہ فقیہ نہیں ہوتے

''عن محمدِ بنِ حمزة بنِ عبدِ اللّٰهِ بنِ سلام قال: قال رسول اللّٰهِ ﷺ: خصلتانِ لا تکونانِ فِی منافِق، حسن سمت، ولا فِقه فِی الدِینِ''(الکتاب: الزهد والرقائق لابن المبارك یلیه ما رواه نعیم بن حماد فِی نسختِهِ زائِدا علی ما رواه المروزِی عنِ ابنِ المبارِك فِی کِتابِ الزهدِ ص١٥٦)

ترجمہ: محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جو کسی منافق میں نہیں ہوسکتیں۔ بہتریں اچھے اخلاق اور دین میں سمجھ۔

## فقہ کا موضوع:

(٦)''موضوع عِلمِ الفِقهِ هوا فعال المکلفِین مِن العِبادِ، فیبحث فِیهِ عما یعرض لافعالِهِم مِن حِل وحرم، ووجوب وندب وکراهة''(٣)

علم فقہ کا موضوع مکلّف بندوں کے افعال ہیں۔ پس اس میں بحث کی جاتی ہے۔ اس چیز سے کہ جو بندوں کے افعال کے ساتھ آتے ہیں۔ حلت اور حرمت میں سے اور واجب، مستحب اور مکروہ میں سے۔

## فتوی اور جماعت المسلمین

التعرِیف: (١)الفتوی لغة: اسم مصدر بِمعنی الِافتاءِ، والجمع: الفتاویٰ والفتاوِی، یقال: افتیته فتوی وفتیا اِذا جبته عن مسألتِهِ، والفتیاتبیین المشکِلِ مِن الاحکامِ، وتفاتوا اِلی فلان: تحاکموا اِلیهِ وارتفعوا اِلیهِ فِی الفتیاء، والتفاتِی: التخاصم، ویقال: افتیت فلانا رؤیا رآهااِذا عبرتها

له (١)ومِنه قوله تعال حاکِیا: یا یها الملأ ا فتونِی فِی رؤیای۔
ترجمہ: فتوی لغت میں اسم مصدر ہے۔ افتاء کے معنی میں ہے اوراس کی جمع فتاوی اور فتاوِی ہے کہا جاتا ہے کہ میں نے اس کوفتوی دیا۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب تو اسے اس کے مسئلہ کے بارے میں جواب دے اورفتیا کہتے ہیں کہ مشکل احکام کوواضح کرنا، بیان کرنا۔ کہا جاتا ہے''تفاتوا الی فلان ''یعنی فلاں کے پاس لوگ فیصلہ لے کر گئے اوراس کی طرف فتوی کواٹھایا اورتفاتی جھگڑنے کو کہتے ہیں اورکہا جاتا ہے''افتیت '' کہ میں نے فلاں کواس کے جواب کے بارے میں بتایا جواس نے دیکھا۔ یہ اس وقت کہا جائے گا کہ جب تو اس کوخواب کی تعبیر بتادے اوراسی میں اللہ جل مجدہ کاقول ہے۔ حکایت نقل کرتے ہیں:''یاایہاالملأ افتونی '' کہ اے سردار مجھے میرے خواب کے بارے میں تعبیر بتادو۔

والاستِفتاء لغة: طلب الجوابِ عن الامرِ المشکِلِ، ومِنه قوله تعالی: ولا تستفتِ فِیهِم منهم احدا (سوره الکهف:٢٢)''

''وقد یکون بِمعنی مجردِ سؤال، ومِنه قوله تعالی: [فاستفتِهِم اهم اشد خلقا ام من خلقنا ] (سوره الصافات:١١)''

''قال المفسِرون: ای اسألهم ''(تفسیر القرطبی ج١٥ ص٦٨، وتفسیر ابن کثیر ج٤ ص٣ ط عیسی الحلبی والفتوی فِی الاصطِلاح)

''(١)لسان العرب، والقاموس المحیط (٢)سوره یوسف آیت:٤٣

''تبیِین الحکمِ الشرعِیِ عن دلِیل لِمن سأل عنه ''(شرح المنتهی ج٣ ص٤٥٦، مطبعه انصار السنة بالقاهرة ، وصفة الفتوی والمستفتی لابن حمدان ص٤)

وهذا یشمل السؤال فِی الوقائِعِ وغیرِها
اورفتوی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ حکم شرعی کودلیل سے بیان کرنا، واضح کرنا، اس شخص کے لئے جواس کے بارے میں سوال کرے اور یہ حادثات وواقعات کے بارے میں سوال کرنے کوشامل ہے۔

''والمفتِی لغة: اسم فاعِلِ افتی، فمن افتی مرة فهو مفت، ولکنه یحمل فِی العرفِ الشرعِیِ بِمعنی ا خص مِن ذلِك، قال الصیرفِی: هذا الاسم موضوع لِمن قام لِلناسِ بامرِ دِینِهِم، وعلِم جمل عمومِ القرآنِ وخصوصِهِ،

وناسِخه ومنسوخه، وكذلِك السنن والاستِنباط، ولم يوضع لِمن علِم مسألة وادرك حقِيقتها، فمن بلغ هذِهِ المرتبة سموه بِهذا الاسمِ، ومنِ استحقه افتى فِيما استفتِى فِيهِ'' (البحر المحیط ج٦ص٣٠٥)

ترجمہ: مفتی لغت میں کہتے ہیں کہ افتی کا اسم فاعل ہے۔ پس جس نے ایک دفعہ فتوی دیا وہ مفتی ہے۔ لیکن عرف شرع میں اس کو اس معنی پر محمول کیا جاتا ہے۔ جو اس سے خاص ہے امام صیرفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اسم اس شخص کے لئے وضع کیا گیا ہے جو لوگوں کے لئے ان کے دینی امور میں قائم ہو (ان کی رہنمائی کرے) اور وہ قرآن کے عام وخاص احکام کو جانتا ہو اور قرآن کے ناسخ ومنسوخ کو بھی۔ اس طرح وہ سنن اور استنباط اور اجتہاد کو بھی جانتا ہو۔ یہ نام اس شخص کے لئے وضع نہیں کیا گیا کہ جو ایک مسئلہ کو جان لے اور اس مسئلہ کی حقیقت کو پالے۔ پس جو اس مرتبہ تک پہنچ گیا تو اس کا یہ نام رکھ دیا جائے گا اور جو اس نام کا مستحق ہوا، تو وہ فتوی دے۔ ان مسائل کے بارے میں کہ جن کے بارے میں اس سے پوچھا جائے۔

''وقال الزركشي: المفتِي من كان عالِما بِجمِيعِ الاحكامِ الشرعِي بِالقوةِ القرِيبيةِ مِن الفِعلِ، وهذا ان قلنا بِعدمِ تجزؤ الاجتِهادِ''
(البحر المحیط ج٦ص٣٠٦)

زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مفتی وہ ہے جو تمام احکام شرعیہ کو جاننے والا ہو۔ فعل کے قریبی قوت کے ساتھ (بھی جانتا ہو) اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم اجتہاد کے حصے نہ کرنے کے قائل ہیں۔

فیصلہ: ''القضاء: هو فصل القاضِي بين الخصومِ، ويقال له ايضا: الحكم، والحاكِم: القاضِي''
قضاء کہتے ہیں کہ قاضی کا جھگڑا کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کرنا اور نیز قاضی کو حکم اور حاکم بھی کہا جاتا ہے۔

## فتوی کا مرتبہ

(٦) تتبين منزِلة الفتوى فِي الشرِيعةِ مِن عِدة وجه، مِنها:
(ا) ان الله تعالى افتى عِباده، وقال (ويستفتون فِي النِساءِ قلِ الله يفتِيكم فِيهِن) (٢) وقال: (يستفتونك قلِ الله يفتِيكم فِي الكلالةِ) (٣)

(ب)ان النبی ﷺ کان یتولی هذا المنصِب فِی حیاتِهِ، وکان ذلكِ مِن مقتضی رِسالتِهِ، وقدکلفه الله تعالی بِذلكِ حیث قال: (وانزلنا اِلیك الذکر لِتبین لِلناسِ ما نزل اِلیهِم ولعلهم یتفکرون)(٤) فالمفتِی خلِیفة النبِی ﷺ فِی اداءِ وظِیفةِ البیان، وقد تولی هذِهِ الخِلافة بعد النبِی ﷺ اصحابه الکِرام، ثم اهل العِلمِ بعدهم

((١)الموافقات ج٤ ص٣١٣ (٢)سوره النساء:١٢٧ (٣)سوره النساء:١٧٦ (٤)سوره النحل:٤٤)

شریعت میں فتوی کا مرتبہ چند وجوہات سے واضح ہوتا ہے۔ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(ا)بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کوفتوی دیا ہےاورفرمایا:’’یستفتونك‘‘.....کہ یہ لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔آپ ﷺ فرمادیجئے کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتوی دیتا ہےاوراسی طرح دوسری جگہ فرمایا:’’یستفتونك‘‘.....کہ یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں۔آپ فرمادیجئے کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتوی دیتا ہے۔

(ب)بے شک رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں اس منصب کی نگرانی کرتے تھےاور یہ آپ ﷺ کے رسالت کے تقاضوں میں سے تھااوراللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کواس کا مکلّف بنایا۔ جیسا کہ فرمایا:’’ہم نے آپ کی طرف قرآن کو اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کوکھول کھول کر بیان کریں۔وہ احکام جو ان کی طرف نازل کے گئے ہیں اور تاکہ وہ غوروفکرکریں۔

مفتی بیان اور وظیفہ کی اداء میں نبی ﷺ کا جانشین ہےاور نبی ﷺ کے بعد صحابہ نے اس خلافت کی نگرانی کی اورصحابہ کے بعد اہل علم نے۔

## فتویٰ کا موضوع

(ج)ان موضوع الفتوی هو بیان احکامِ اللّٰهِ تعالی، وتطبِیقها علی افعالِ الناسِ، فهِی قول علی اللّٰهِ تعالی، انه یقول لِلمستفتِی: حق علیك ان تفعل، و حرام علیك ان تفعل، ولِذا شبه القرافِی المفتِی بِالترجمانِ عن مرادِ اللّٰهِ تعال، وجعله ابن القیِمِ بِمنزِلةِ الوزِیرِ الموقِعِ عنِ الملكِ قال: اِذا کان منصِب التوقِیعِ عنِ الملوكِ بِالمحلِ الذِی لا ینکر فضله، ولا یجهل قدره، وهو مِن اعلی المراتِبِ السنِیاتِ، فکیف بِمنصِبِ التوقِیعِ عن ربِ الارضِ

**والسماواتِ (١)، نقل النووی: المفتِی موقِع عنِ اللّٰہِ تعالی، ونقِل عنِ ابنِ المنکدِرِانہ قال: العالِم بین اللّٰہِ وبین خلقِہِ، فلینظر کیف یدخل بینھم؟(٢)**

فتوی کا موضوع: اللہ کے احکام کو بیان کرنا اوران احکامات کولوگوں کے افعال پر منطبق کرنا ہے۔ پس یہ قول اللہ پر ہے کہ وہ فتوی طلب کرنے والے کو کہے کہ لازم ہے تجھ پر کہ تو یہ کام کرے یا حرام ہے تجھ پر کہ تو یہ کام کرے۔ اسی وجہ سے قرافی نے مفتی کوتشبیہ دیا اللہ کی مراد کی ترجمانی کے ساتھ اور ابن قیم نے مفتی کو بمنزلہ اس وزیر کے قرار دیا۔ جو بادشاہ کی طرف سے مہر لگاتا ہو۔ جب بادشاہوں کی طرف سے مہر لگانے کا منصب ایسے محل کے ساتھ ہے جس کی فضیلت کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس کی قدر سے جہالت برتی جاتی ہے اور وہ مراتب سیاسیات کے اعلی درجہ میں سے ہے، تو زمین وآسمان کی رب کی طرف سے مہر لگانے والے کا منصب کیسے ہوگا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ مفتی اللہ کی طرف سے مہر لگانے والا ہے اور ابن المنکدر سے مروی ہے: انہوں نے فرمایا کہ عالم اللہ جل جلالہ اور اس کے مخلوق کے درمیان (ایک واسطہ) ہے۔ پس چاہئے کہ نظر کرے کیسے داخل ہوتا ہے ان کے درمیان۔

## شروط المفتِی

**(۱۱)لا یشترط فِی المفتِی الحریة والذکورِیة والنطق اتِفاقا، فتصِح فتیا العبدِ والمرءۃِ والاخرسِ ویفتِی بِالکِتابۃاِ و بِالاِشارۃِ المفھِمۃِ، (٢) واما السمع، فقد قال بعض الحنفِیۃِ: انہ شرط فلا تصِح فتیا الاصمِ وھو من لا یسمع اصلا، وقال ابن عابِدِین: لا شك انہ اِذا کتِب لہ السؤال واجاب عنہ جاز العمل بِفتواہ، الاا نہ لا ینبغِی ان ینصب لِلفتوی، لانہ لا یمِکن کل احدن یکتب لہ (٣)، ولم یذکر ھذا الشرط غیرھم، واذا لم یذکروا فِی الشروطِ البصر، فتصِح فتیا الاعمی، وصرح بِہِ المالکِیۃ**

مفتی میں آزادی اور تذکیر کی اور بولنے کی شرط نہیں ہے بالاتفاق۔ لہٰذا غلام، عورت، اور گونگے کا فتوی صحیح ہے۔ گونگا کتابت سے یا اشارہ سے فتوی دے گا اشارہ سمجھنے والے کو۔ بہرحال ''سننا'' بعض حنفیہ نے کہا کہ یہ شرط ہے بہرے کا فتوی دینا صحیح نہیں ہے اور وہ شخص جو بالکل نہیں سن سکتا۔ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی شک کہ جب اسے سوال لکھا جائے

اور وہ اس سوال کا جواب دے تو اس کے لئے فتوی کا کام کرنا جائز ہے۔ مگر نہیں مناسب کہ اس سے فتوی کے منصب کے لئے مقرر کیا جائے۔ کیونکہ ہر شخص کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس کو لکھے اور نہیں ذکر کیا اس شرط کا ان کے علاوہ نے اور جب ذکر نہیں کیا گیا شرائط میں ''بصارت'' کو تو صحیح ہے نابینا کا فتوی دینا اور اس کی مالکیہ نے تصریح کی ہے۔

((١)الموافقات ج٤ ص٨٩، ٩٥ (٢)شرح المنتهىٰ ج٣ ص٤٥٧، واعلام الموقعين ج٤ ص٢٢٠، وحاشية ابن عابدين ج٤ ص٣٠٢، وصفة الفتوى لابن حمدان ص١٣ والمجموع ج١ ص٧٥، تحقيق المطيعي (٣)الدرالمختار وحاشية ابن عابدين ج٤ ص٣٠٢)

''اما ما يشترط فِي المفتِي فهو أمور'' مفتی کے بارے میں جو شرط ہے وہ چند امور ہیں۔

(١٢)الإسلام: فلا تصِح فتيا الكافِر: مسلمان ہونا کافر کا فتوی دینا درست نہیں ہے۔

(ب)العقل: فلا تصِح فتيا المجنونِ: عقل کا ہونا مجنون کا فتوی دینا درست نہیں ہے۔

(ج)البلوغ: فلا تصِح فتيا الصغِيرِ: بالغ ہونا نابالغ کا فتوی دینا درست نہیں ہے۔

(١٣)د: العدالة: فلا تصِح فتيا الفاسِقِ عِند جمهورِ العلماءِ، لان الفتا يتضمن الإخبار عنِ الحكمِ الشرعِي، وخبر الفاسِقِ لا يقبل، واستثنى بعضهم افتاء الفاسِقِ نفسه فإنه يعلم صِدق نفسِهِ(٢)

مفتی کا عادل ہونا شرط ہے۔ فاسق کا فتوی دینا صحیح نہیں ہے جمہور علماء کے ہاں۔ کیونکہ فتوی حکم شرعی کے بارے میں خبر دینے کو متضمن ہے اور فاسق کی خبر نہیں قبول کی جاتی اور استثناء کیا ان میں سے بعض نے فاسق کا اپنے نفس کے بارے میں فتوی دینے کو۔ کیونکہ وہ اپنے نفس کی صدق کو جانتا ہے۔

## اجتہاد اور جماعت المسلمین:

اجتہاد اور فتوی کی وضاحت اور مجتہد ہونے کے لئے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

ان سے معلوم ہوتا ہے اس وادی پر خار میں آبلہ پائی ہر مدعی عشق کے بس کا روگ نہیں۔ آپ ﷺ کی مبارک زندگی ہی میں بعض صحابہ منصب اجتہاد پر فائز ہو چکے تھے اور بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان غیر منصوص اجتہادی مسائل میں ان کی پیروی کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''**عبدالله بن عمرو عن بن العاص رضی اللہ عنہ قال: جاء رسول الله ﷺ خصمان يختصمان فقال لعمرو: اقضی بينهما يا عمرو، فقال: انت اولٰی بذالك منّی يارسول الله قال عليه الصلوٰة والسلام: وان كان قال: فاذاقضيت بينهما فمالی؟ قال:ان انت قضيت بينهما فاصبت القضاء فلك عشر حسنات وان انت اجتهدت فاخطأت فلك حسنة**'' (معجم الصغیر رقم ۱۳۱، المطالب العالیہ ج۲ ص۲۹۶ رقم ۲۱۲۵)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: دو آدمی اپنا مقدمہ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے عمرو ان کے درمیان فیصلہ کرو۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک یہ کام میرے ہی شایان شان ہے۔ لیکن یہ فیصلہ تم ہی کرو۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پوچھا جب میں فیصلہ کروں گا تو میرے لئے کیا اجر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو نے فیصلہ کیا اور درست فیصلہ کیا تو تیرے لئے دس نیکیاں ہیں اور اگر توں نے اجتہاد کیا۔ مگر اجتہاد میں خطا ہو گئی تو تب بھی تجھے ایک نیکی ملے گی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مجتہد ہر حال میں اللہ کے ہاں ماجور ہے۔

میرے تو دونوں ہاتھ نکلے کام کے دل کو تھا ماان کا دامن تھام کے

اللہ نے مجتہدین کے لئے جو ہر حال میں خطاء وصواب کا انعام رکھا ہے، اتنا شاندار پیکج دیکھ کر بعض وہ لوگ جو میدان علم وعمل اور تقویٰ میں تو کبھی نظر نہیں آئے۔ البتہ بحث مباحثہ تکفیر مسلمین کے میدان میں پیش پیش ہیں۔ انہوں نے اچھل اچھل کر دعویٰ اجتہاد شروع کر دیا کہ

ہم چوں دیگر نیست

جیسی قرآن وحدیث کی سمجھ ہم کو آئی ہے، ہم سے پہلے علماء وفقہاء اس کو نہ سمجھ سکے۔ خود اپنے نام کے ساتھ لقب لکھوا کر شائع کر کے خود کو مجتہد سمجھ بیٹھنا، یہ انہیں لوگوں کا احساس محرومی ہے، جس پر چابک دستی سے پردہ ڈال دیتے ہیں۔

لطیفہ: سیالکوٹ میں ایک بے روزگار نوجوان نے دکان بنا کر ڈاکٹری کا کام شروع کر

دیا اور باہر لکھ دیا ڈاکٹر فلاں بن فلاں ایم. بی. بی. ایس۔ پولیس نے ریڈ کیا اور پوچھا کہ آیا تم ایم. بی. بی. ایس ڈاکٹر؟ اپنی سند دکھاو۔ تو وہ نوجوان زور زور سے ہنسنے لگا۔ پولیس نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا ایم. بی. بی. ایس کا وہ مطلب نہیں جو تم نے سمجھا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب ہے، محلّہ بڈھی بازار سیالکوٹ۔

بالکل اسی طرح مجتہدین اور فقہاء کی تکفیر کرنے والے اور اپنے ماسواء سب کو کافر سمجھنے والے مسعود احمد بی. ایس. سی سے جب پوچھا کہ آپ تو تمام اسلامی حکومتوں کو غیر مسلم سمجھتے ہو۔ پھر آپ نے اپنی جماعت کو ان سے رجسٹرڈ کیوں کروایا؟ تو جواب سنئے اس نام نہاد موحد کا جو علماء کو رشوت خور اور دین فروش کہنے سے باز نہیں آتا۔ کہتا ہے: ''حکومت نے اعلان کیا کہ رجسٹرڈ جماعتوں کو زمین دی جائے گی۔ ہم نے ان کے رجسٹرڈ میں درج کرا دیا اور زمین خرید لی۔''

(جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینے میں ص ۴۹۹)

خانہ ساز توحید سے ایسے ہی خانہ خراب موحد نکلا کرتے ہیں۔ منصب اجتہاد و افتاء چونکہ ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اس لئے ہر آدمی مسند افتاء پر بیٹھنے کا اہل نہیں ہے۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی بہت کم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جو فتویٰ دیتے تھے اور بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان پر عمل کرتے تھے۔ جیسا کہ محمد بن سہل بن حثمہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: ''**ان الذین کانوا یفتون علی عهد رسول الله ﷺ ثلاثة من المهاجرین عمر وعلی وعثمان وثلاثة من الانصار أبی بن کعب ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت**''

(فتح الباری لابن حجر کتاب البیوع الی السلم)

یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مہاجرین میں سے تین صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور انصار میں سے تین صحابہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فتویٰ دیتے تھے۔

مگر رافضی فطرت مسعود احمد فتویٰ لینے اور دینے والے دونوں کو منافقین میں شمار کرتا ہے۔ مسعود احمد نے اپنی کتاب توحید المسلمین میں لکھا ہے: ''**ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار**'' بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا اللہ کے دین پر مضبوطی سے کاربند ہونا کافی نہیں۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ دین کو خالص اللہ کے لئے رکھے۔ اللہ کے دین میں آمیزش نہ کرے کسی رائے، فتویٰ اور قیاس کو دین میں شامل نہ کرے۔'' (توحید المسلمین ص ۲۸۲)

یعنی رائے، فتویٰ اور قیاس معاذ اللہ علامات نفاق ہیں تو مذکور بالا چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جوفتوی دیتے تھے اور بقیہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے فتوے پر عمل کرتے تھے۔ سب کے سب مسعودی مذہب میں کیا قرار پائیں گے۔ العیاذ باللہ!

کھلے گا کس طرح مکتوب، میرے مضمون کا یارب　　قسم کھائی ہے اس کافر نے کاغذ کے جلانے کی

جناب مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں کہ: ’’علماء ومشائخ کے فتووں قیاسات اجتہادات اور آراء کو شریعت کا درجہ دینا شرک ہے۔‘‘ (توحید المسلمین ص۲۷۳)

’’شریعت ساز صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ لہٰذا حرام وحلال کا فیصلہ وہی کرسکتا ہے۔‘‘ (توحید المسلمین ص۲۷۳)

’’اگر فتوی میں قرآن وحدیث کی بجائے اپنی رائے پیش کرے تو یہ شرک ہے۔‘‘ (توحید المسلمین ص۲۷۳)

## (۱) الاجتہاد

’’وهو: بذل الجهدِ فِی استِنباطِ الحکمِ الشرعِیِ مِن االدِلِۃ المعتبرۃِ، لِقولِهٖ تعالیٰ: (قل اِنما حرم ربِی الفواحِش ما ظهر مِنها وما بطن والاِثم والبغی بِغیرِ الحقِ ون تشرِکوا بِاللّٰهِ ما لم ینزِل بِهٖ سلطانا وان تقولوا عل اللّٰهِ ما لا تعلمون)‘‘

’’قال الشافِعِی فِیما رواه عنه الخطِیب: لا یحِل لاحد ان یفتِی فِی دِینِ اللّٰهِ، الا رجلا عارِفا بِکتابِ اللّٰهِ: بِناسِخِهٖ ومنسوخِهٖ، ومحکمِهٖ ومتشابِهِهٖ، وتأوِیلِهٖ وتنزِیلِهٖ، ومکِیِهٖ ومدنِیِهٖ، وما ارِید بِهٖ، ویکون بعد ذلِك بصِیرا بِحدِیثِ رسولِ اللّٰهِ ﷺ ویعرِف مِن الحدِیثِ مِثل ما عرف مِن القرآن، ویکون بصِیرا بِاللغۃِ، بصِیرا بِالشِعرِ، وما یحتاج اِلیهِ لِلسنۃِ والقرآنِ ویستعمِل هذا مع الاِنصافِ، ویکون مشرِفا علی اختِلافِ اهلِ الامصارِ، وتکون له قرِیحۃ بعد هذا، فاِذا کان هکذا فله ان یتکلم ویفتِی فِی الحلالِ والحرامِ، واِذا لم یکن هذا‘‘

ادلۃ معتبرۃ سے حکم شرعی کے استنباط کے بارے میں محنت کے صرف کرنے کو اجتہاد کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی وجہ سے: ’’قل انما ربی الفواحش ما طهر منها الاٰیۃ‘‘

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس روایت میں جو خطیب نے ان سے نقل کی ہے کہ جائز نہیں ہے کسی کے لئے کہ وہ فتوی دے اللہ کے دین کے بارے میں۔ سوائے اس شخص کے جو اللہ کی کتاب کو اچھی طرح جانتا ہو۔ اس کے ناسخ، منسوخ، محکم، متشابہ، تأویل، تنزیل، مکی، مدنی ہونے کو اور اس سے کیا مراد ہے سب کو جانتا ہو۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو جانتا ہو۔ ایسے جیسے قرآن کو جانا اور لغت پر بھی بصیرت رکھنے والا ہو اور شعر پر بھی بصیرت رکھنے والا ہو اور اس چیز پر بھی بصیرت رکھنے والا ہو۔ جو اس کو قرآن وسنت (کے سمجھنے) کے لئے ضرورت ہوں گی اور اس کو انصاف کے ساتھ استعمال کرے اور وہ تمام شہروں کے لوگوں کے اختلاف پر بھی مطلع ہو اور اس کے لئے اور ہوگا اس کے بعد اس کو شروع کرنے والا ہوگا۔ پس جب اس طرح ہوگا تو اس کے لئے یہ کہ تکلم کرے اور حلال حرام کے بارے میں فتوی دے اور جب وہ اس طرح نہیں ہوگا تو جائز نہیں ہے۔

اجتہاد اس خاص قوت استنباط کا نام ہے جس کے ذریعے آدمی قرآن وحدیث کے خفیہ ودقیق احکام ومعانی اور رموز وعلل کو انشراح صدر کے ساتھ حاصل کر لیتا ہے کہ عام لوگوں کی یہاں تک رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتے ہیں: ”**واذا جائهم امر من الامن او الخوف أذاعوا به ولو ردوه الى الرسول و الى أولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم (النساء:۸۳)**“

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ہے کہ: ”**وفي هذه الآية دلالة على وجوب القول بالقياس و اجتهادالرأى فى الأحكام الحوادث**“ (احکام القرآن ج۲ص۲۶۲)

یعنی اس آیت مبارکہ میں نئے پیش آمدہ مسائل پر مجتہد کی طرف سے کئے جانے والے اجتہاد، قیاس اور رائے کو ماننے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے خود مجتہدین کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ جو پیش آمدہ غیر منصوص اجتہادی مسائل میں اجتہاد فرماتے ہیں۔

جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا تو بطور امتحان پوچھا کہ اے معاذ! کس چیز کے مطابق فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کتاب اللہ کے مطابق۔ آپ ﷺ نے پوچھا اگر مسئلہ کتاب اللہ میں نا ملے تو پھر؟ عرض کیا کہ: رسول اللہ ﷺ کی سنت کو دیکھ کر فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مسئلہ نہ کتاب اللہ میں ملے اور نہ ہی سنت رسول اللہ ﷺ میں تو پھر؟ عرض کیا کہ اجتہاد بالرأی کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر آپ ﷺ نے مسرور ہو کر فرمایا: ”**الحمدلله الذى وفق رسول رسول الله لما يحب**

رسول اللّٰہ‘‘ (ابوداود رقم الحدیث:۳۵۹۲، ترمذی رقم الحدیث:۱۳۲۷)

’’اللہ کا شکر ہے جس نے میرے قاصد کی رائے کو اس کے موافق کر دیا۔ جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔‘‘

یعنی غیر منصوص اجتہادی مسائل میں اجتہاد کرنا اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنے کا ذریعہ ہے اور جب مجتہد اجتہاد کرے گا تو عامی آدمی اس پر عمل کرے گا۔ جن میں خود اجتہاد کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اور شریعت میں ہر ایک کو منصب اجتہاد پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ اس کی کچھ شرائط ہیں۔

’’أما شرطه فانه يحوى علم الكتاب بمعانيه و علم السنة بطرقها ومتونها وان يعرف وجوه القياس‘‘ (کنز الوصول الی معرفۃ الأصول ص ۲۷۸)

مجتہد کے لئے شرط یہ ہے کہ اسے کتاب اللہ کے علوم پر، معانی پر دسترس حاصل ہو، سنت اور علمِ حدیث کے مختلف طرق اور متون اور ان کے معانی کی وجوہات اور قیاس کرنے کی وجہ سے بھی واقف ہو۔

جس میں مذکورہ صلاحیت ہوگی وہ تو اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہے۔ مگر جس بیچارے کا مبلغ علم ہی صرف چند اردو کتب کی ورق گردانی ہو، وہ فتویٰ بازی کرے تو اسے زیب نہیں دیتا۔ لہٰذا اجتہاد کا منکر، پیش آنے والے جدید مسائل میں امت مسلمہ کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ اسلام نے ان کا کوئی حل پیش نہیں کیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد بننے کی تمام شرائط کو بیان کر دیا جائے تا کہ اگر کسی کے دماغ میں شوق اجتہاد سمایا ہے تو وہ آئینہ دیکھ کر تقابل کر لے کہ آیا میں اس عظیم منصب کا اہل ہوں بھی کہ نہیں؟ اگر نہیں تو پھر فرمانِ پیغمبر کے مطابق اہل لوگوں سے جھگڑا کرنا چھوڑ دے۔

## شرائط اجتہاد

شرائط اجتہاد کو اوّلاً ہم دو قسموں میں تقسیم کریں گے:

۱..... شرائط جو وہبی نہیں کسبی ہیں۔ انہیں شرائط عامہ کہتے ہیں

۲..... وہ شرائط جو کسب سے متعلق ہیں، ان امور میں محنت کرنے والے کو منصب اجتہاد تک پہنچا دیتی ہیں۔

(۱) شرائط عامہ تین ہیں: (۱) اسلام۔ (۲) بلوغ۔ (۳) عقل۔

اورشروط اہلیت یعنی کسبی یہ دوقسم پر ہیں: (۱) بنیادی شروط۔ (۲) شروط تکمیلیہ۔

**بنیادی شروط:**

**’’معرفة الكتاب والسنة، ومعرفة اللغة، معرفة اصول الفقة، معرفة مواضع الِاجماع‘‘**

**شروط تکمیلیہ:**

**’’معرفة البرائة الأصلية، معرفة مقاصد الشريعة، معرفة القواعد الكلية، معرفة مواضع الخلاف، العلم بالعرف الجارى فى البلد، معرفة المنطق، عدالة المجتهد و صلاحه، حسن الطريقة و سلامة المسلك، الورع والعفّة، رصانة الفكروجودة الملاحظة، الافتقار الى الله تعالٰى والتوجه اليه بالدعاء، ثقته بنفسه و شهادة الناس له بالأهلية، موافقه عمله مقتضى قوله‘‘**

**(ارشاد النقاد الى تيسير الاجتهاد لمحمد بن اسماعيل الصنعانى ج۱ ص۱۰)**

یہ ہیں وہ شرائط جن کا عملاً پایا جانا ایک مجتہد میں ضروری ہے۔ جب اتنے سخت معیار کی کسوٹی پر پورا اتر کر کوئی مجتہد مسئلہ بتائے گا تو وہ اس کا اپنا گھڑا ہوا دین ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ کتاب وسنت یا اجماعِ امت ہی سے ثابت شدہ ہوگا۔ اس کو شرک قرار دینا مسعود احمد (بی.ایس.سی) کے علمی کھوکھلے پن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

**رائے، قیاس اور جماعت المسلمین**

یہ تو تھی فتویٰ اور اجتہاد کی وضاحت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک اس کی اہمیت۔ اب آیئے ذرا رائے اور قیاس کو سمجھیں کہ رائے کسے کہتے ہیں؟ اور قیاس کا مطلب کیا ہے؟

رائے لغت میں عقل تدبر اور غور وفکر کو کہتے ہیں اور اس کے اصطلاحی معنی کے باری میں علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **’’والرأى لا يصلح لنصب الحكم به ابتداءً وانما هولتعدية حكم النص الى نظيره ممالانص فيه‘‘** (اصول سرخسی ج۲ ص۹۰)

رائے ابتداء کسی حکم کے نصب کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ بلکہ یہ نص کے حکم کو اس کی نظیر تک پہنچاتی ہے جس میں نص نہ ہو۔

علامہ شوکانی رقم طراز ہیں: **’’وقيل ان الرائے انما هواجتهادبالنصوص**

**غیر الصریحۃ فی دلالتھا وقیل انہ مایتوصل بہ الحکم الشرعی من جھۃ الاستدلال والقیاس"**

ترجمہ: اپنے مدلول میں غیر صریح نصوص میں اجتہاد کرنے کو رائے کہتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ رائے نام ہے استدلال اور قیاس کے ذریعے حکم شرعی تک پہنچنے کا۔

## صحابہ کرام کے نزدیک رائے کی حیثیت:

**"قیل ان الرائے عند الصحابۃ وھوالقیاس ولاخذبالمصلحۃ وقد وجد منھم من اکثر استعمال القیاس واطلق علیہ الرائی وقیل انہ یعنی عند الصحابۃ القیاس والاستحسان وقال بعض العلماء ان الظاھر من فتاویٰ الصحابۃ رضی اللہ عنہم ان الرای لدیھم ھوالحکم بناء علی القواعد العامۃ"**

(الاجتہاد والتقلید فی الاسلام)

صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک رائے، قیاس اور مصلحت ہی کو کہتے تھے اور صحابہ میں یہ بات بکثرت تھی کہ قیاس پر رائے کا اطلاق کرتے تھے اور بعض صحابہ کے قیاس اور استحسان کو رائے کہتے تھے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ: صحابہ کے فتاویٰ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے قواعد عامہ پر حکم کی بنیاد رکھنے کو رائے کہتے تھے۔ الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک رائے اور قیاس ایک ہی چیز کا نام تھا۔

تھوڑا سا پہلے تزکیہ نفس کے ان دشمنوں کی اخلاقی پستی ایک مثال ذکر کی گئی تھی کہ لوگ جب خدا کی حرام کردہ چیزوں کو اپنے لیے حلال کرلیں کاغذی جماعتوں کے کاغذی امراء جب شریعت کو مذاق بنا کر رکھ دیں تو پھر دین اسلام کا اللہ ہی حافظ ہے۔ ایک شادی شدہ عورت کے ساتھ نئی شادی رچالینا جب کہ نہ اسے طلاق دی گئی ہو اور نہ اس نے خلع لیا ہو۔ یہ شریعت اسلامیہ نے کب جائز رکھا ہے؟ مسعود احمد بی۔ایس۔سی نے یہاں تک لکھا ہے کہ: "علماء اور مشائخ کے فتووں، قیاسات، اجتہادات اور آراء کو شریعت کا درجہ دینا شرک ہے۔" (توحید المسلمین ص ۲۷۳)

تو اشتیاق احمد صاحب کے اجتہاد کو شریعت قرار دینے والے مسعودی مشرک نہ ہوئے؟

بلکہ مزے کی بات یہ ہے کہ سمیرا نامی لڑکی جس سے امام مسلمین "نام نہاد" اشتیاق احمد ناجائز ازدواجی تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں۔ بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس لڑکی کے بھائی شاہد علی اشتیاق احمد امیر جماعت کا وکیل ہے۔ اس کی طرف سے مناظرے کرتا ہے۔ یعنی مسعودیوں میں ضمیر اور غیرت نام کی کوئی چیز نہیں۔ لہٰذا جو چیز ان کی عیاشی اور آوارہ گردی کے

راستے میں رکاوٹ بنے۔ چاہے وہ فقہ ہو یا تصوف، علماء ہوں یا مشائخ سب کو بیک جنبش قلم کافر و مشرک لکھ کر فیصلہ سنا دیتے ہیں۔

اب تک جماعت المسلمین کی کی جانے والی خلاف شرع حرکات کا جائزہ لیا گیا اور مسعود احمد کی خود ساختہ توحید جو بنام توحید المسلمین تھی، اس کے کچھ اقتباسات ہدیہ قارئین کئے۔ اب اس کی دوسری کتاب جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینے میں کا تجزیہ پیش خدمت ہے۔ اس کتاب میں جناب مسعود احمد نے دانستہ تو کوئی ایسی نامسعود حرکت نہیں چھوڑی، جس کا اس کتاب میں ارتکاب نہ کیا گیا ہو۔ جھوٹ، خیانت، بہتان اور اسلام دشمنی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اگر نادانستہ بھول کر جناب مسعود سے کوئی سچی بات اس کتاب میں صادر ہوگئی ہو تو بندہ بشر کی خطاء سمجھ کر درگزر فرمائیں۔

جناب مسعود قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''آب حیات'' کے بارے میں اپنی تحقیق لکھتے ہیں: ''مولوی نانوتوی نے ختم نبوت کی عجیب وغریب تشریح کی ہے۔ جس نے ختم نبوت کی اہمیت کو ختم کر دیا ہے۔ اگر بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی آجائے تو تب بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں آتا۔''

(جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینے میں ص ۱۶۷)

سیاق وسباق سے ہٹ کر جو عبارت جناب نے پیش کی ہے، اگر اس کا پس منظر دیکھا جائے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ حضرت ختم نبوت کا انکار نہیں فرما رہے، بلکہ انتہائی عمدہ انداز میں ختم نبوت کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ذاتی ہے اور باقی انبیاء علیہم السلام کی نبوت عطائی ہے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے انہیں ملی ہے۔ اب حضرت کی عبارت پڑھئے اور ان الحاد و بدعت زدہ مقتدایان خلق کی دیانت پر سر دھنئے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذات بوصف ثبوت لیجئے۔ جیسا اس ہیچ مداں نے عرض کیا ہے۔ تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو افراد مقصودہ میں مماثل نبوی نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی جو عملاً دنیا میں تشریف لائے ہیں، پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی۔ افراد مقدرہ جو صرف فرض کئے جائیں، پر بھی آپ کی فضیلت۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ فرق نہ آئے گا۔''

اب دیکھیے یہاں پر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تو شرط کے ساتھ ایک مفروضہ کو بیان فرمارہے ہیں اور یہ ختم نبوت مرتبی کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی فرض کرلیا جائے تو اسے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب نبوت سے مستنیر ''روشن ہونے والا'' مانا جائے گا اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت مرتبی میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ مسعود صاحب نے شرط کو بغیر جزاء کے نقل کیا ہے۔ آخری الفاظ خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، سے مراد ختم نبوت زمانی لے کر انکار ختم نبوت کا الزام عائد کر دیا۔ حالانکہ اس عبارت کو ختم نبوت زمانی پر محمول کرنا بہت بڑا ظلم اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر بہت بڑا بہتان ہے۔ کیونکہ اسلام کے مجموعی عقیدے میں ختم نبوت زمانی اور ختم نبوت رتبی انہی دونوں کا ماننا ضروری ہے۔ یہاں صرف ختم نبوت رتبی کی بحث ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسے قضیہ شرطیہ کہا جاتا ہے اور قضیہ شرطیہ کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''**قضية شرطية لا تستلزم الوقوع**''

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۱۰)

قضیہ شرطیہ مستلزم وقوع نہیں ہوتا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں متعدد مفروضات پیش فرمائے ہیں۔ مثلاً:

۱..... ''**لوشئنا لأتينا كل نفس هداها** (سجدہ:۱۳)'' ﴿اگر ہم چاہتے تو سمجھا دیتے ہر نفس کو اس کی راہ۔﴾

۲..... ''**ولوشئنا لبعثنا فی كل قرية نذيرا** (فرقان: ۵۱)'' ﴿اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے والا بھیجتے۔﴾

۳..... ''**لو كان فيهما آلهة الا الله لفسدتا** (الانبیاء:۲۲)'' ﴿اگر خدا کے سوا کوئی اور الٰہ ہوتا تو نظام کائنات برباد ہو جاتا۔﴾

اسی طرح اور بھی کئی آیات مبارکہ میں قضیہ شرطیہ استعمال ہوا ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۱..... ''**عن عقبة بن عامر** رضی اللہ عنہ **قال: قال رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **لوكان بعدی نبی لكان عمر بن الخطاب** (ترمذی:۳۸۶۶)'' ﴿اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔﴾

۲...... ’’عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لو كنت آمر أحدا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها (ترمذی:۱۱۵۹)‘‘ ﴿اگر میں کسی ایک کے لئے سجدہ کرنے کا کہنے والا ہوتا تو بیوی کو کہتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔﴾

ان تمام مقامات پر ایسے قضیوں کا تذکرہ ہے جو محض فرض کئے گئے ہیں اور کتاب وسنت میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر ختم نبوت کے انکار کا الزام لگانے والوں میں مسعود احمد بی.ایس.سی اپنے پیشرو مرزا غلام احمد قادیانی کے نقش قدم پر چلا ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر انکار ختم نبوت کی بہتان طرازی سے پہلے ان کا عقیدہ ختم نبوت ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ختم نبوت پر اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’اپنا دین ایمان ہے کہ بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اسے کافر سمجھتا ہوں۔‘‘ (مکتوبات قاسم ص۵۰)

۲...... خاتمیت زمانی سے مجھ کو انکار نہیں۔ بلکہ یہ کہئے کہ منکروں کے لئے گنجائش انکار نہ چھوڑی افضلیت کا اقرار ہے۔ بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں جما دیئے۔

(جواب محذورات از حضرت مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ ص۵۰)

۳...... ’’جب حضرت خاتم النّبیین خاتم مرتب نبوت وحکومت ہوئے تو نہ ان کی تعلیم کے بعد کوئی معلم تعلیم آسمانی لے کر آئے۔ نہ ان کے بعد اور کوئی حاکم خدا کی طرف سے حکم نامہ لائے۔‘‘

(آریہ سماج کو جواب ترکی بہ ترکی ص۵۱ مکتوبہ دیوبند)

۴...... ’’حضرت خاتم المرسلین کی خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلم ہے۔‘‘

(جواب محذور اوّل ص۳، از حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ)

۵...... ’’درصورت یہ کہ زمانہ کو حرکت کیا جائے تو اس سے کوئی مقصود بھی ہو جائے۔ جس کے آنے پر یہ حرکت منتہی ہو جائے، سو حرکت سلسلہ نبوت کے لئے نقطہ ذات محمدی منتہی ہے۔ یہ نقطہ اس ساق زمانی اور ساق مکانی کے لئے ایسا ہے۔ جیسا رأس زوایہ تاکہ اشارہ شناسان حقیقت کو یہ معلوم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کون ومکان زمین وزمان کو شامل ہے۔ منجملہ حرکات حرکت سلسلہ نبوت بھی تھی۔ سو بوجہ حصول مقصود اعظم ذات

محمد ﷺ وہ حرکت مبدل بہ سکون ہوئی۔ البتہ اور حرکتیں ابھی اور باقی ہیں۔ زمانہ آخر میں آپ ﷺ کے ظہور کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔'' (محذورات ص ۳۹)

۶...... ''خاتمیت زمانی اپنا دین وایمان ہے۔ ناحق تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں۔''

(جواب محذوراص ۳۹)

۷...... ''آپ ﷺ کا دین سب دینوں میں آخر ہے۔ چونکہ دین حکم نامہ خداوندی کا نام تو جس کا دین آخر ہوگا وہی شخص سردار ہوتا ہے۔'' (قبلہ نماص ۱۱ احمد قاسم)

ان تصریحات کی موجودگی اوران عبارات کے ہوتے ہوئے کسی کا یہ دعویٰ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اجرائے نبوت کے قائل ہیں اور حضور ﷺ کے بعد کسی اور نبی کے پیدا ہونے کو اسلام عقیدہ ختم نبوت کے منافی نہیں سمجھتے۔ کھلے طور پر علم ودیانت کا خون کرنا ہے۔

## سنت اور جماعت المسلمین کا تصور سنت

مسعود احمد بی.ایس.سی کہتا ہے ۔سنت وہ ہوگی جو حدیث سے ثابت ہو۔ جو سنت حدیث سے ثابت نہ ہو یا کسی حدیث کے خلاف ہو، اسے سنت شمار نہیں کیا جائے گا۔

(جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینہ میں ص ۶۵۸،۶۵۹)

## سنت اور اہل اسلام

### سنة التعرِيف:

۱...... ''السنة فِی اللغةِ : الطرِيقة والعادة والسِيرة ، حمِيدة كانت ام ذمِيمة .والجمع سنن''(۱)

وفِی الحدِيثِ: ''من سن فِی الِاسلامِ سنة حسنة فله اجرها واجر من عمِل بِها بعده مِن غيرِ ان ينقص مِن اجورِهِم شیٔ، ومن سن فِی الِاسلامِ سنة سيِئة فعليهِ وِزرها ووِزر من عمِل بِها بعده مِن غيرِ ان ينقص مِن اوزارِهِم شیء ثم استعمِلت فِی الطرِيقةِ المحمودةِ المستقِيمِة، فسنة اللّٰهِ احكامه وامره ونهيه، وسن اللّٰه سنة: ای بين طرِيقا قوِيما ويقال: فلان مِن اهلِ السنةِ، معناه : مِن اهلِ الطرِيقةِ المستقِيمةِ المحمودةِ(۱) وفِی الحدِيثِ: ''تركت فِيكم امرينِ لن تضِلوا ما تمسكتم بِهِما: كِتاب اللّٰهِ وسنتِی '' والسنة عِند الفقهاءِ لها معان، مِنهاا نها اسم لِلطرِيقةِ المسلوكةِ فِی الدِينِ مِن غيرِ

افتِراض ولا وجوب وتطلق ایضا عِند بعضِ الفقهاءِ: علی الفِعلِ اِذا واظب علیهِ النبی ﷺ ولم یدل دلیل عل وجوبِهِ وعرفها بعضهم: بِانها ما طلِب فِعله طلبا مؤکدا غیر جازِم(۵)

''فالسنة بِهذا المعنی حکم تکلِیفِی، ویقابِلها الواجِب، والفرض، والحرام، والمکروه، والمباح، وعرفها بعض الفقهاءِ، بِانها ما یستحق الثواب بِفِعلِهِ ولا یعاقب بترکه''

سنت: لغت میں طریقہ، عادت اور سیرۃ کو کہتے ہیں۔ چاہے وہ اچھے ہوں یا برے ہوں اور اس کی جمع سنن آتی ہے اور حدیث میں ہے۔ جس نے اسلام میں اچھی سنت جاری کردی۔ اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس شخص کا اجر جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا۔ بغیر اس کے کہ بعد والے کے اجروں میں سے کچھ کم کیا جائے اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور اس شخص کا بوجھ جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا۔ بغیر اس کے کہ ان بعد (میں عمل کرنے) والوں کے بوجھ سے کچھ کم کیا جائے۔ پھر پھر استعمال کیا گیا اس طریقہ میں جو محمود ہو اور مستقیم ہو۔ اللہ کی سنت اس کے احکامات اور اس کے اوامر و نواہی ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سنت کو جاری کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدھے راستے کی وضاحت کی۔

اور کہا جاتا ہے: فلاں اہل سنت میں سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے کہ جو اچھے اور درست طریقہ والے ہیں اور حدیث میں ہے کہ میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک تم ان کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو تم ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے۔ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے اور فقہاء کے نزدیک سنت کے کئی معانی ہیں۔ اس میں سے ایک یہ ہے کہ: ''سنت نام ہے اس طریقہ کا جو دین میں چلا ہوا ہے۔ بغیر فرض و واجب کے اور اسی طرح بعض فقہاء کے نزدیک اس فعل پر بھی کہا جاتا ہے کہ جس پر نبی اکرم ﷺ نے ہمیشگی اختیار کی ہو اور اس فعل کے وجوب پر کوئی دلیل موجود نہ ہو اور بعض نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ سنت وہ ہے کہ جس کے کرنے کا مطالبہ کیا جائے۔ طلب مؤکد کی جائے۔ لیکن لازمی نہ ہو تو لہٰذا اس معنی میں سنت ایک حکم تکلیفی ہے اور اس کا مقابل واجب، فرض، حرام، مکروہ، مباح ہے اور بعض نے اس کی تعریف یہ کی ہے۔ سنت وہ ہے کہ جس کے کرنے کے ساتھ آدمی ثواب کا مستحق قرار دیا جائے اور چھوڑنے کی وجہ سے سزا نہ دی جائے۔

(۱) لسان العرب مادۃ۔ (۲) حدیث: ''انی ترکت فیکم شیئین'' اخرجہ مالک فی الموطاج ۲ص ۸۹۸، ط الحلبی (والحاکم ج ۱ص ۹۳، ط دائرۃ المعارف العثمانی) وصححہ۔ (۳) کشف الاسرار للبزدوی ج ۲ص ۳۰۲، وحاشیۃ الفنری علی التلویح ج ۲ص ۲۴۲، وابن عابدین ج ۱ص ۷۰، والتعریفات للجرجانی۔ (۴) ابن عابدین ج ۱ص ۷۰، ۴۵۴، جواہر الاکلیل ج ۱ص ۷۳، مسلم الثبوت ج ۲ص ۹۲، جمع الجوامع ج ۱ص ۸۹، ۹۰۔ (۵) جواہر الاکلیل ج ۱ص ۱۱۔

(۱) وتطلق السنة ايضا على دليل مِن ادِلة الشرعِ وعرفها الاصوليون بِهذا المعنى: بانها ما صدر عنِ النبِي ﷺ مِن قول، او فِعل، او تقرِير (۲)

اور سنت کا اطلاق دلائل شرعیہ میں سے کسی دلیل پر کیا جاتا ہے اور اصولین نے اس معنی کے ساتھ اس (سنت) کی تعریف کی ہے کہ سنت اس معنی میں ہے کہ جو نبی ﷺ سے صادر ہو۔ قول، فعل یا تقریر میں: ''الاحکام المتعلِقة بِالسنةِ'' وہ احکام جو سنت کے متعلق ہیں۔

''الاوّل: السنة بِالاصطِلاحِ الفِقهِي'' پہلی بات سنت فقہی اصطلاح میں۔

(۲) تطلق السنة عِند الشافِعِية والحنابِلةِ: على المندوبِ، والمستحبِ، والتطوع، فهِي الفاظ مترادِفة، فكل مِنها عِبارة عنِ الفِعلِ المطلوبِ طلبا غير جازِم قال البنانِي: ومِثلها الحسن اوِ النفل اوالمرغب فِيهِ .ونفى القاضِي حسين وغيره ترادفها حيث قالوا: ان واظب النبِي ﷺ على الفِعلِ فهو السنة، وإن لم يواظِب عليهِ ان فعله مرة و مرتينِ فهو المستحب، اولم يفعله وهو ما ينشِئه الِانسان بِاختِيارِهِ مِن الاورادِ فهو التطوع ولم يتعرض القاضِي حسين ومن معه لِلمندوبِ لِعمومِهِ لِلاقسامِ الثلاثةِ

سنت کا اطلاق شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مندوب مستحب اور نفل پر کیا جاتا ہے۔ پس یہ سارے الفاظ مترادف ہیں۔ پس اس میں سے ہر ایک نام ہے۔ اس فعل کا جو کہ مطلوب ہو، ایسی طلب کے ساتھ جو کہ یقینی نہ ہو۔ امام بنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور اس کے مثل حسن یا نفل ہے اور اس میں رغبت کی گئی ہو اور قاضی حسین وغیرہ نے ان الفاظ کے مترادف ہونے کی نفی کی ہے۔ اس حقیقت سے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے کسی فعل پر دوام اختیار کیا ہو تو وہ سنت ہے اور اگر دوام نہ کیا ہو ایک یا دو مرتبہ کیا ہو تو اس فعل کو مستحب کہیں گے یا اس فعل کو نہ کیا ہو اور یہ وہ فعل ہے جو انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے اور اگر اوراد میں سے ہو تو یہ نفل ہے۔ قاضی حسین اور ان کے

ساتھیوں نے مندوب سے کوئی تعرض نہیں کیا اقسام ثلثہ کی وجہ سے۔

**’’وقال ابن عابِدِین: ان المشروعاتِ اربع قسام: فرض، وواجِب، وسنة، ونفل فماكان فِعله اولى مِن تركِهٖ مع منعِ التركِ ان ثبت بِدلِيل قطعِى ففرض، او بِظنِى فواجِب، وبِلا منعِ التركِ ان كان مِما واظب عليهِ الرسول ﷺ والخلفاء الراشِدون مِن بعدِهٖ فسنة، وِالا فمندوب ونفل‘‘**

(ردالمختار علی الدرالمختار ج۱ ص۷۰، ط احیاء التراث)

ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے شک مشروعات کی چار قسمیں ہیں: فرض، واجب، سنت اور نفل۔ پس وہ کہ جس کا کرنا اس کے چھوڑنے سے بہتر ہو۔ چھوڑنے کے منع کے ساتھ ہو، اگر وہ دلیل قطعی سے ثابت ہو تو وہ فرض ہے۔ اگر دلیل ظنی سے ثابت ہو تو وہ واجب ہے اور بغیر چھوڑنے کے منع کے ساتھ ہو۔ اگر وہ فعل ایسا ہو، جس پر آپ ﷺ نے مواظبت اختیار کی ہو یا آپ ﷺ کے جو خلفاء راشدین نے اس پر مواظبت اختیار کی ہو تو یہ سنت ہے۔ ورنہ وہ مندوب اور نفل ہے۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ مسعود احمد کی بیان کردہ تعریف ان کی خانہ ساز ہے۔ جو ان کی عملی کسمپرسی کا راز کھول رہی ہیں۔ ورنہ امت مسلمہ کی بیان کردہ تعریف اور جلیل القدر فقہاء کی تصریحات سے مسعود کی تعریف کا کچھ بھی جواز نہیں بنتا۔

نوٹ: جماعت المسلمین کے عقائد ونظریات میں سے اہم عنوانات پر اختصار سے کی گئی بحث ملاحظہ فرمانے کے بعد ضروری ہے کہ اس کی دیگر کتب میں پیش کئے گئے مسائل ونظریات پر بھی بات ہو۔ لیکن قلت وقت اور اختصاص کی ڈیمانڈ اس کی اجازت نہیں دے رہی۔ مسعود صاحب کی دیگر کتب ’’منہاج المسلمین، صلوٰۃ المسلمین، تفہیم الاسلام وغیرہ‘‘ میں بیان کردہ مسائل مستقل تفصیل کے متقاضی ہیں۔ جس پر اکثر حضرات نے لکھا ہے۔ بالخصوص حضرت مولانا محمد امین صفدر اکاڑی صاحب کی تحریرات کا مجموعہ ’’تجلیات صفدر‘‘ کافی وشافی ہے اور فرقہ اہل حدیث کے بعض ذمہ دار حضرات نے بھی اپنی معلومات کی حد تک اس فتنہ کا تعاقب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جماعت المسلمین کے متاثرین کو ہدایت نصیب فرمائے اور ہمیں اس تحریک کے پس منظر، پیش منظر اور تہہ منظر کو مکمل طور پر اجاگر کرنے کی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

# فصل الثالث

## سیکولرازم تعارف و تجزیہ

عصر حاضر کا دین سیکولرازم: سیکولرازم جن معاشروں میں ابتداً پروان چڑھا وہ معاشرے مذہباً عیسائی تھے اور یہ تلخ حقیقت ہے کہ اس وقت کے معروضی حالات کے تناظر میں عیسائیت لوگوں کی کامل رہنمائی سے قاصر تھی۔ بنیادی طور پر عیسائیت ایک مذہب تو ہے، مگر دین نہیں ہے۔ مذہب کا انگلش میں ترجمہ کیا جاتا ہے۔ Religion People چونکہ ان خطوں میں عیسائیت ہی رائج تھی۔ اس لئے مذہبی لوگوں کو Religion کہہ دیا جاتا تھا۔ دین کے لئے اس کے مکمل مفہوم کو ادا کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ The complete cord of life یعنی مکمل ضابطہ حیات یہ ہے۔ دین کا مطلب اور دنیا میں اسلام کے علاوہ باقی تمام مذاہب تو ہیں۔ عیسائیت، یہودیت، اس کے علاوہ غیر سماوی مذاہب، ہندومت، بدھ مت وغیرہ۔ یہ چند اخلاقیات، عبادات اور تصور عبودیت تو رکھتے ہیں۔ مگر مکمل ضابطہ حیات نہیں دے سکتے۔ دنیا میں صرف ایک ہی مذہب ہے اور وہ ہے دین اسلام میں جو کہ مکمل ضابطہ حیات ہے۔

سیکولرازم: سیکولرازم قدیم لاطینی لفظ سیکولارس سے ماخوذ ہے۔ جس کا مطلب وقت کے اندر محدود لیا جاتا ہے۔ سیکولرازم لفظ کو باقاعدہ اصطلاح کی شکل میں ۱۸۴۶ء میں متعارف کروانے والا پہلا شخص برطانوی مصنف جارج جیکب ہولی اوک تھا۔ اس شخص نے ایک بار ایک لیکچر کے دوران کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے عیسائی مذہب اور اس سے متعلق تعلیمات کا توہین آمیز انداز میں مذاق اڑایا۔ جس کی پاداش میں اسے چھ ماہ کی سزا بھگتنا پڑی۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد اس نے مذہب سے متعلق اظہارِ خیال کے لئے اپنا انداز تبدیل کر لیا اور جارحانہ انداز کے بجائے نسبتاً نرم لفظ سیکولرازم کا پرچار شروع کر دیا۔ سیکولرازم کو اگر عام معانی میں دیکھا جائے تو اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے۔ انسانی زندگی میں دنیا سے متعلق اُمور کا تعلق خدا یا مذہب سے نہیں ہوتا اور سیکولرازم میں حکومتی معاملات کا خدا اور مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ سیکولرازم میں انسانی اور حکومتی معاملات میں مذہب کا کوئی عمل نہیں ہوتا۔ بلکہ یوں جانا جائے کہ دُنیاوی اُمور سے مذہب اور مذہبی تصورات کا اخراج آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق سیکولرازم سے مراد ایسا عقیدہ ہے جس میں مذہب اور مذہبی خیالات و تصورات کو ارادتاً دُنیاوی اُمور سے حذف کر دیا جائے۔

**Not connected religious or spiritual matter.**

سیکولرازم انفرادی طور پر بھی آزادی مہیا کرتا ہے کہ آپ من چاہا مذہب اختیار کریں اور اگر آپ کسی بھی مذہب پر عمل پیرا نہیں ہونا چاہتے تو اس کی بھی آپ کو آزادی اور حقوق مہیا کئے جائیں گے۔ پاکستانی معاشرے میں سیکولرازم کو روشن خیالی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کی جڑیں ''سکولم'' میں ہیں۔ جس کا مطلب ہے زمانہ حال محسوسات کی دنیا ہے۔ جو دائم اور قابلِ یقین سچائی ہے۔ جس میں انسان کی یہ اہمیت ہے کہ وہ خود اپنے لئے اچھائی یا برائی کا انتخاب کرسکتا ہے اور دنیاوی معاملات میں مذہب کی مداخلت تسلیم نہ کی جائے۔ سیکولرازم اور مذہب میں رقابت اور تصادم روزِ اوّل سے موجود ہے۔ کیونکہ دونوں عمل داری کے معاملے میں سخت جان حریف واقع ہوئے ہیں۔ مثلاً مذہب اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا ہے کہ وجودِ انسانی کے لئے عالمِ آخرت پر زور دے۔ کیونکہ انسان کی اخلاقی بحالی کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قادرالمطلق اور فنا سے بالاتر ہستی تسلیم کیا جائے اور اسی کے احکام اپنی سیاسی، معاشرتی اور معاشی زندگی پر لاگو کیے جائیں۔ لیکن سکولرازم کو اس طرزِ فکر اور عمل سے انکار ہے۔ اس میں مذہب اگر برداشت بھی کیا جاتا ہے تو اس شرط کے ساتھ کہ مذہب اجتماعی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرے گا۔ بزعم خود دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ مذہبی دعووں کی بنیاد پر کئے گئے فیصلے سماج کے لئے اصلاح کا باعث کیسے ہوسکتے ہیں؟ جب کہ ان کے دعووں اور فیصلوں کا ماخذ ایک غیر یقینی خدا کی ہستی اور مبہم ذریعہ الہام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب اور سیکولرازم کی کشمکش کا کوئی امکان نہیں۔ سیکولرازم میں مذاہب اور ادیان کو محض عہدِ رفتہ کی عظیم حکایتوں کے یا ایک قصہ پارینہ کے طور پر قبول کیا جاتا ہے۔ مذہب انسانیت کا پیرو کسی مافوق الادراک ہستی اور وجود (خدا، وحی، فرشتے، جن، جنت اور دوزخ) کا ایسا مذہب انسانیت قرار دیا جاتا ہے۔ جس کی رو سے انسان کی ذات کائنات کا مرکز ہے۔ گویا کائنات [Human centric] ہے نہ کہ خدا مرکز [God centric] اس مسلک انسانیت کے تقاضے کیا ہیں؟ عالم آخرت کے بجائے عالم طبیعی [Physical World] کا مطالعہ اور اس کی ترقی کی کوشش اس مذہب انسانیت کا قائل نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان کی دنیاوی فلاح کی کوشش کو ذریعہ نجات سمجھتا ہے۔

## سکولرازم کی عملی شکلیں:

۱..... ''کوئی شخص جو اللہ پر ایمان رکھتا اور نماز وغیرہ پڑھتا ہو۔ لیکن اپنے عقیدے (اسلام) کے سیاسی، سماجی، معاشی اور اجتماعی اطلاق کا منکر ہو، سیکولر ہے۔

۲..... ''کوئی شخص یا گروہ اگر عقیدے کے سماجی مطالبات کو نظر انداز کر کے محض روحانی ذکر و فکر پر زور دے وہ بھی سیکولر ہے۔

۳..... ''کوئی بھی طرزِ حکمرانی جس میں حاکمیت اعلیٰ عوام الناس کی مانی جائے اور انہی کی خواہشات کو قانون سازی کا منبع تسلیم کیا جائے وہ بھی سیکولر ہی ہے۔''

عوام کی چاہت کے مطابق قانون بنانے کے لئے جمہوریت کا نظام پیش کیا گیا۔ انقلاب فرانس کے بعد اس نظام کو عروج ملا۔

## سیکولرازم کا نظام سیاست

جمہوریت، ڈکٹیٹرشپ، (آمریت) سیکولرازم نے معیشت کا نظام دو شقوں میں پیش کیا:

۱..... کمیونزم Communism اشتراک

۲..... کیپیٹلزم capitalism سرمایہ دارانہ نظام

سرمایہ دارانہ نظام کو زیادہ مقبولیت ملی۔ سود اور جواء جس کی بنیادی جڑیں ہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ ان تمام نظاموں کی بنیاد آزادی مساوات و ترقی پر ہے۔

| معاشرت | سیاست | معیشت |
|---|---|---|
| آزادانہ اقدار پر معاشرہ قائم ہوگا | جمہوریت<br>آمریت | اشتراکیت<br>سرمانہ دارانہ نظام |

سیکولرازم نے ان اجتماعی مسائل کا حل یوں پیش کیا ہے۔ جب کہ دوسری جانب دین اسلام بھی دعویدار ہے کہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اللہ کے نزدیک صرف یہی قابل قبول ہے۔ عصر حاضر میں ایک ضابطہ حیات کے طور پر لوگ عملی طور پر سیکولرازم کو قبول کیے ہوئے ہے۔ انفرادی سطح پر مذہب اس میں سموسکتا ہے۔ اجتماعی معاملات میں یہ ایک خاص طرز زندگی فراہم کرتا ہے۔ عصر حاضر میں نمو پانے والا باطل عیسائیت، یہودیت، ہندومت نہیں۔ بلکہ سیکولرازم ہے اور اسلام کا صف اوّل کا حریف ہے۔ باقی مذاہب تو اس کے اندر ضم ہوگئے ہیں۔ مگر اسلام اس کے اندر ضم نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ اسلام ایک مستقل معاشرت رکھتا ہے۔ باقاعدہ معاشرتی احکام رکھتا ہے کہ معاشرہ مخلوط نہ ہونا چاہئے۔ اس میں فلاں فلاں برائی کو قریب نہ آنے دیا جائے وغیرہ! یعنی اسلام کی خودی نے دوسرے مذاہب کی طرح بے خود ہو کر فنا ہونے کو قبول نہیں کیا۔

# فصل الرابع

## لبرل ازم تعارف و تجزیہ

لبرل ازم: ''لبرل ازم'' لفظ لبرل قدیم روم کی لاطینی زبان کے لفظ لائبر اور پھر لائبر السس سے ماخوذ ہے۔ جس کا مطلب آزاد لیا جاتا ہے۔ یعنی ہر قسم کی فکری اور ذہنی غلامی سے آزاد۔ آٹھویں صدی عیسوی تک اس لفظ کا معنی ایک آزاد آدمی ہی تھا۔ بعد میں یہ لفظ ایک ایسے شخص کے لیے بولا جانے لگا، جو فکری طور پر آزاد تعلیم یافتہ اور کشادہ ذہن کا مالک ہو۔

اٹھارویں صدی عیسوی اور اس کے بعد اس کے معنوں میں خدا یا کسی اور مافوق الفطرت ہستی یا مافوق فطرت ذرائع سے حاصل ہونے والی تعلیمات وحی سے آزادی بھی شامل کر لی گئی۔ یعنی اب لبرل ازم سے مراد ایسا شخص لیا جانے لگا، جو خدا اور پیغمبروں کی تعلیمات اور مذہبی اقدار کی پابندی سے خود کو آزاد سمجھتا ہو اور لبرل ازم سے مراد اسی آزاد روش پر مبنی وہ فلسفہ اور نظام اخلاق و سیاست ہو جس پر کوئی گروہ یا معاشرہ عمل کرے۔

سیکولر تصورات کو پیش کرنے والے تین بڑے فلسفی ڈاران، مارکس اور فرائڈ تھے۔ جو کہ بے دین، مادہ پرست دھریے ہونے کی وجہ سے ان کے مبینہ نظام میں سے مذہبیت کے ساتھ تعصب کی جھلک نظر آتی ہے۔ اسی وجہ سے سیکولر ازم کا ترجمہ ہی بے دینی کے نام سے ہونے لگا۔ سیکولر ازم کی اس خامی کو دور کر کے جو نظام سامنے آتا ہے۔ اسی کو ہی لبرل ازم کہتے ہیں۔ لبرل ازم ایسا تصور عدل جو مذہب کا بھی جواز فراہم کرتا ہے اور کوئی مذہب اختیار کرنا چاہے تو اس کو مکمل آزادی ہے کہ وہ انفرادی زندگی میں اس کو نافذ کرے۔ لیکن اجتماعی معاملات، معاشرت، معیشت، سیاست میں محض انسان بن کر سوچے مسلمان، عیسائی یا ہندو بن کر نہیں۔

قانون لوگ بنائیں گے۔ لوگوں کے لیے بنائیں گے اور لوگ ہی اس کو چلانے کے حقدار ہیں، یعنی دین الجمہور۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اکثریت جس کو حرام کہے وہ حرام ہوگا۔ عوام جسے خیر قرار دے اور جسے چاہے شر قرار دے۔ مثلاً اگر سود کو اچھا سمجھتے ہیں تو اس نظام کے نافذ ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر شراب پینا پسند کرتے ہیں تو شراب خانے قائم کروانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اگر لوگ مسجد جانا پسند کرتے ہیں تو مسجد بنانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ کسی خاص تصور خیر (قرآن وسنت) کو نافذ کر کے لوگوں کی آزادی کو مجروح نہ کریں گے۔ بلکہ خود یہ طے کریں گے کہ ان کو کیا کرنا چاہئے۔ کسے خیر سمجھنا چاہیے اور کسے شر قرار دینا چاہئے۔ جو بھی ان کا

تصور خیر و شر ہوگا، سیکولر حکومت کی ذمہ داری ہے نافذ کرے۔

لبرل ازم کے تصور کو پیش کرنے والے فلسفی خود عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ ظاہر اُلبرل تصور ردل ایسا تصور عدل نظر آتا ہے، جو مذہب کا جواز فراہم کرتا ہے۔ اگر کوئی مذہب اختیار کرنا چاہے تو اس کو مکمل آزادی ہے کہ انفرادی زندگی میں نافذ کرے۔ اس پر عمل کرے۔ لیکن اجتماعی، معاشرتی سیاسی معاملات میں محض انسان بن کر سوچنا چاہیے مسلمان عیسائی یا یہودی بن کر نہیں، بلکہ فقط ایک انسان بن کر سوچنا چاہیے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ صرف لبرل تصور عدل ہی ایک ایسا عادلانہ نظام فراہم کرتا ہے، جو سب کے لئے عادلانہ ہوسکتا ہے۔ لبرل ازم کے علاوہ جتنے بھی تصور عدل لوگوں نے بنا رکھے ہیں وہ تمام انسانوں کو عدل فراہم نہیں کر سکتے۔

## لبرل ازم کے ثبوت میں دلیل

اگر کوئی مسلمان ہے، اس کا ایک تصور عدل ہے، وہ مسلمان کے حق میں عادلانہ ہوگا۔ مگر عیسائیت کے لئے بدھ مت اور ہندوؤں کے لئے ہرگز عادلانہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ مسلمان اپنے ہی عادلانہ تصور کو فوقیت دیں گے اور معاشرتی سطح پر بھی اپنے تصور عدل کو ہی باقیوں سے بہتر گردانیں گے۔ حقیقتاً ان کا تصور عدل تمام انسانیت کے لئے عادلانہ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ صرف مسلمانوں کے لئے عادلانہ ہوگا۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی آدمی بائبل پر ایمان رکھتا ہے تو اس کا تصور عدل صرف عیسائیوں کے لئے تو عادلانہ ہوگا، مسلمان اور سکھوں اور دیگر اقوم کے لئے عادلانہ نہیں ہوگا۔ عیسائی اپنے ہی تصور عدل کو باقیوں سے بڑھ کر سمجھیں گے اور معاشرتی سطح پر عیسائی اپنے تصور عدل کو قابل قدر سمجھیں گے۔ یہی حال ہے تمام قوموں اور مذاہب کا۔ ان کے تصور عدل صرف ان کے مفاد کی بات کرتے ہیں۔ باقی لوگوں کے لئے عادلانہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کو ہم مکمل عادلانہ نہیں کہہ سکتے۔ جب کہ لبرل ازم وہ تصور عدل پیش کرتا ہے جو سب کو عدل فراہم کرے گا۔ آپ عدل کا کوئی بھی اصول اور پیمانہ نہیں بنا سکتے۔ جب تک آپ جاہلیت کے پردے کے پیچھے نہ چلے جائیں۔ ایسی جہالت کا پردہ جس میں صرف آپ سے دو چیزیں اوجھل ہوں گی۔ (۱) آپ کون ہو؟ (۲) آپ کس چیز کو اچھا یا برا سمجھتے تھے؟

اس کے علاوہ آپ کو دنیا جہاں کی تمام معلومات فراہم ہوسکتی ہیں کہ اس دنیا میں مسلمان کتنے ہیں؟ عیسائی کتنے ہیں؟ ہندو عورتیں کتنی ہیں؟ غرض ہر طرح کی معلومات فراہم ہو سکتی ہیں۔ مگر جہالت کے اس پردے کے پار آپ کو صرف دو چیزوں کا علم نہیں۔

۱..... آپ کون ہیں؟ معاشرتی حیثیت آپ کی کیا تھی؟ مسلمان تھے، کافر تھے، غریب تھے یا امیر تھے۔ مرد تھے یا عورت تھے۔

۲..... کس چیز کو آپ خیر سمجھتے تھے۔ کس چیز کو شر گردانتے تھے۔ حلال کیا تھا، حرام کیا تھا۔ صحیح کیا تھا غلط کیا تھا۔

ان دو چیزوں کو بھلا کر ایک کمرہ میں داخل ہوں۔ پھر اس کمرے میں بیٹھ کر آپ عدل کا قانون وضع کر سکتے ہیں۔ اس کمرے میں بیٹھ کر آپ جو تصور عدل وضع کریں گے وہ عادلانہ ہوگا۔ ایسی کوئی جگہ دنیا میں نہیں ہے، جس میں وہ داخل ہونے سے آدمی ان دو چیزوں کو بھول جائے اور باقی سب کی اس کو خبر ہو۔ بلکہ یہ ذہن کا ہی ایک خانہ ہے۔ یعنی آپ کچھ دیر کے لئے ایسا سمجھ لیں کہ مجھے ان دو چیزوں کا علم نہیں۔ (۱) آپ کون ہو؟ (۲) صحیح اور غلط کیا ہے؟ پھر محض انسانی مفاد کو مدنظر رکھ کر صحیح اور غلط کے اصول وضع کریں تو یہ تصور عدل حقیقی عدل فراہم کر سکتا ہے۔ تمام انسانوں کو لبرل ازم اسی تصور عدل کی طرف دعوت دیتا ہے نہ کہ مسلمان بن کر سوچو نہ عیسائی بن کر، نہ مرد بن کر، نہ عورت بن کر۔ بلکہ محض انسان بن کر سوچو۔ یہ ہے لبرل ازم کا تصور عدل، جس کے سامنے بہت ساروں نے گھٹنے ٹیک دیے۔ بلکہ اسی کو حق اور سچ سمجھ کر اپنا مذہبی نکتہ نظر سے اس کی توثیق پیش کرنا شروع کر دی۔ لبرل ازم سیکولرازم سے زیادہ خطرناک ثابت ہوا جو کہ بظاہر مذہب کو اپنے اندر ہضم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انفرادی معاملات میں فرد مذہب پر عمل کر کے مطمئن رہتا ہے۔ جب کہ سیاسی اور معاشرتی طور پر لبرل ازم اپنا کام دیکھاتا ہے۔ ایک خاموش طوفان کی طرح یہ کام کرتا ہے۔ لوگ مذہب سے دور ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی مانتا بھی ہے تو مذہب چند عبادات اور رسومات کا نام بن کر رہ جاتا ہے۔ اوّل نظر میں دیکھنے سے یہ دلیل مضبوط نظر آتی ہے کہ تصور عدل اور حقیقی انصاف صرف لبرل ازم ہی مہیا کرتا ہے۔ اگر تھوڑا سا غور سے دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا۔

<u>دلیل کا رد:</u> کہ جو الزام عدل کے حوالہ سے مذہب پر لگایا جاتا ہے۔ وہ وجہ تو خود لبرل تصور عدل میں بھی ہے۔ وہ اس طرح کہ انسان کبھی بھی اپنے زمان و مکان سے اوپر اٹھ کر نہیں سوچ سکتا۔ یعنی اپنے تاریخی تناظر میں ہی رہ کر سوچ سکتا ہے۔ لہٰذا لبرل تصور عدل اس خاص تناظر والوں کے لئے تو عادلانہ ہوگا۔ باقی ساری دنیا والوں کے لئے غیر عادلانہ۔ جیسا کہ عملی طور پر بھی ہم دیکھ سکتے ہیں کہ لبرل تصور عدل سوسائٹی کے علاوہ سب کے لئے غیر عادلانہ ہے۔ خواہ کوئی

بھی مذہب ہو کوئی بھی روایتی کلچر ہو۔

لبرل تصور کو اپنانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کائنات میں کوئی چیز نہ صحیح ہے اور نہ غلط۔ شراب پینا، نماز پڑھنا، زنا کرنا، والدین کی خدمت کرنا، قرآن پڑھنا، پارک میں بیٹھ کر گھاس کے پتے گننا، سب کام برابر ہیں۔ ان میں نہ کوئی خیر ہے اور نہ کوئی شر ہے۔ کیونکہ جب ہر فرد الگ الگ متعین کرے گا کہ صحیح کیا ہے غلط کیا ہے تو ہر ایک کے لئے صحیح وہ سمجھا جائے گا جسے وہ صحیح کہے اور اس کے لئے غلط اس کو سمجھا جائے جسے وہ غلط کہے۔ حقیقت کے اعتبار سے خیر و شر کا تصور ہی باطل ہوگا۔ بلکہ یہ معاملہ ایک فرد پر منحصر ہو کر رہ جائے گا۔ جو چاہئے کرے جیسے چاہے جو مرضی سمجھ لے۔ مسجد جانے کو اچھا سمجھے یا گرجا گھر جانے کو یا پھر جوا خانہ کو اچھا سمجھے۔

## فصل الخامس

## روشن خیالی (انلائیٹمنٹ) تعارف و تجزیہ

مغرب نے جب یہ طے کر لیا کہ انسان کی عظمت یہی ہے کہ وہ آزاد ہو انفرادی سطح پر بھی اجتماع و سیاسی اور معاشرتی سطح پر بھی تو آزادی کو فروغ دینے کے لئے مختلف قسم کی تحریکوں نے جنم لیا۔ کئی فریم ورک (Fram Work) بنائے گئے۔

انہی میں سے ایک ہے تحریک تنویر (Inlight ment) یعنی روشن خیالی۔

انیسویں صدی میں ایک بہت بڑی اقداری تبدیلی رونما ہوئی۔ قدر کے معیار بدل گئے۔ عزت و ذلت کے پیمانے تبدیل ہو گئے۔ قدیم زمانہ کے عظیم انسان (انیسویں صدی سے پہلے کے عظیم انسان) کو آج کی دنیا عظیم ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس کی عظمت کو قابل دید خیال نہیں کیا جاتا۔ بلکہ آج کا عظیم انسان وہ ہے جو روشن خیال ہے۔

روشن خیال انسان کن کن بنیادوں پر ایک روائتی مذہبی قدیم انسان سے مختلف ہے۔

(Ad Smith) جو ماڈرن اکنامکس کا بابا آدم سمجھا جاتا ہے، وہ کہتا ہے روشن خیال عظیم انسان کا روائتی قدیم انسان سے تین طرح کا فرق ہے۔

۱..... روایتی عظیم انسان فقیرانہ زندگی گزارتا تھا، یعنی سادگی کو اچھا سمجھتا تھا اور خود بھی سادگی سے زندگی گزارتا تھا۔ جیسے سقراط، عیسیٰ علیہ السلام، مریم علیہا السلام، موسیٰ علیہ السلام۔ ظاہر ہے کہ یہ روایتی عظیم انسان ہیں جو فقیرانہ سادہ زندگی گزارنے کو اچھا سمجھتے تھے۔

دولت کی قدر نہ جانتے تھے۔ روائتی انسان کسی عظیم اور کمتر سمجھنے کے لئے دولت کو معیار نہ بناتے تھے۔

۲..... ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کوئی تضاد نہ ہوتا تھا۔

۳..... اپنی شہریت وہ جنگ و جدل سے حاصل کرتا تھا۔ کسی ملک کی شہریت اس کا پیدائشی حق نہ ہوتا تھا۔ بلکہ وہ جنگ میں حصہ لیتا تھا۔ جس سے اپنا شہری ہونے کا استحقاق حاصل کرتا۔

عصمت کہتا ہے کہ ہم ایسے انسان کو عظیم انسان نہیں سمجھتے، جو آزادی اور دولت کو قدر نہ مانتا ہو اور فقیرانہ زندگی پر راضی ہو۔ ہم اس کو عظیم ماننے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ آج کا عظیم انسان وہ ہے جو آزادی اور سرمائے کی قدر مانتا ہو اور دنیا میں لطف اندوز ہوتا ہو۔ بہترین فرد کون ہے، جو زیادہ سے زیادہ دولت مند ہو، آزاد ہو، لذت اٹھا سکتا ہو۔ وہ معاشرہ بہترین ہے جو زیادہ دولت مند ہو اور انسان کو لطف فراہم کرتا ہو۔ آج جب کسی فرد، قوم، معاشرہ یا ریاست میں سے ایک کو دوسرے سے بہتر قرار دیا جاتا ہے تو یہی تین چیزیں بنیاد ہوتی ہے۔ آزادی، دولت، لذت۔ آج قابل قدر، آئیڈیل انسان وہ ہے جو یہ تین چیزیں رکھتا ہو۔

یہ بہت بڑی اقداری تبدیلی چیزوں کو پرکھنے یعنی خیر اور شر جاننے کا آلہ ۱۹ ویں صدی میں پیدا ہوئی۔ قدیم انسان اور روشن خیال انسان میں یہی فرق ہے۔ وہ ان کی قدر تسلیم کرتا ہے۔ کسی کی عظمت کی دلیل ان چیزوں کو گردانتا ہے۔ اگر آپ کسی یونیورسٹی میں جا کر طالب علموں سے کہیں اپنے اپنے ہیرو آئیڈیل لوگوں کے نام لکھ کر دیں تو ان میں سے زیادہ تر طالب علموں کے آئیڈیل فنکار یا کھلاڑی ہوں گے اور یہ آئیڈیل اس لئے ہیں کیونکہ یہ ان کو مزہ دیتے ہیں۔ اسی لئے ان کو ہیرو سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ روایتی قدیم انسان کے ہیرو اور آئیڈیل کو آئیڈیل بنانے کے لئے اس لئے تیار نہیں۔ کیونکہ اس کے پیچھے چلنے سے قربانی دینی پڑے گی۔ وہ مزہ نہیں دے گا بلکہ قربانی مانگے گا۔ الغرض اس وقت ہمارے زیر بحث عنوان ہے ''روشن خیالی''

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ روشن خیال انسان وہ ہے جو کسی کے معزز یا کم تر ہونے کا معیار دو چیزیں رکھے آزادی اور سرمایا۔ جس کے پاس دولت ہے اور آزادانہ اقدار پر یقین رکھتا ہے۔ وہ مہذب انسان ہے۔ اس کو آئیڈیل سمجھا جاتا ہے اور اس جیسا بننے کی ترغیب دی جاتی ہے اور جو آزادی و سرمائے کو قدر (پیمانہ، اصول) نہیں جانتا وہ روشن خیال نہیں ہے۔

# فصل السادس

## سول سوسائٹی تعارف و تجزیہ

سول سوسائٹی کے بارے میں جاننے کے لئے ہم اس مضمون کو چند عنوانات پر تقسیم کرتے ہیں:

۱..... سول سوسائٹی کے قیام کا مقصد اور ابتداء۔
۲..... سول سوسائٹی میں عظیم آدمی اور مذہبی معاشروں کا عظیم آدمی۔
۳..... مذہب اور خاندان کے بغیر اس معاشرے کو کیسے چلایا جاتا ہے۔
۴..... مختلف اداروں کے قیام کے ذریعے معاشرے میں لبرل اقدار کو کیسے تحفظ دیا جانا۔
۵..... معاشرتی زندگی پر ایک نظر ۱۸ صدی سے قبل اور ۱۸ صدی کے بعد (سول سوسائٹی)
۶..... سول معاشرت کی مشکلات پر ایک نظر۔
۷..... سول معاشرت سے مذاہب کا انہدام۔

## سول سوسائٹی کے قیام کا مقصد

عرصہ قدیم سے انسان اجتماعیت کی شکل میں زندگی گزارتا آیا ہے۔ ایک فرد مختلف اجتماعیتوں میں سے کسی نہ کسی اجتماعیت کا حصہ ہوتا تھا۔ وہ اس خطے کی اجتماعیتیں مذہبی نوعیت کی ہوں یا روایتی اور خاندانی نوعیت کی، ایک فرد عیسائی، یہودی، ہندومت، اسلام یا کسی اور مذہب کے ساتھ جڑ کر زندگی گزارتا تھا۔ ایک فرد پر کوئی مصیبت یا مشکل آتی تو اس کی اجتماعیت اس کا ساتھ دیتی، اسی طرح کی صورتحال درپیش تھی۔ ان معاشروں کو جو مذہبی تو نہ تھے۔ مگر پھر بھی کسی نہ کسی اجتماعیت کے ساتھ جڑے ہوتے۔ خاندانی، برادری، قومیت یا حسب نسب کی بنیاد پر، ایک فرد جب کسی پریشانی و مصیبت کا شکار ہوتا تو خاندان، برادری، قوم کے لوگ اس کی مدد کرتے۔ اٹھارہ صدی عیسوی تک معاشرے اسی قسم کے تھے۔

ایک انسان جب اپنے معاشرے میں رہتا ہے، خواہ وہ مذہبی ہو یا روایتی اس میں کئی طرح کی پابندیاں ہوتی ہیں۔ جو آدمی کی خواہشات کو پورا کرنے میں رکاوٹ کھڑی کرتی ہیں۔ مذہبی معاشرت میں کئی طرح کے مذہبی احکام و اخلاقیات ہوتے ہیں۔ جب ان کے خلاف کہا جائے تو اہل مذہب اخلاقی طور پر فرد کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ خاص قسم کی معاشرت جو ان کے مذہب

کے ہم آہنگ ہے، اس کے دائرے سے باہر نہ نکلے۔ آدمی کی آزادی کو لامتناہی فروغ دینے کے لئے مذہبی یا روایتی جکڑ بندیوں سے جان چھڑانے کے لئے سول معاشرہ قائم کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس معاشرے کا خاتمہ کر دیا جائے، جو فرد کی آزادی میں حائل ہو اور ایک ایسی معاشرت قائم کی جائے، جس میں فرد مطلق العنان آزاد ہو اور فرد اپنے کسی عمل کا جوابدہ معاشرے کے سامنے نہ ہو۔ ایک ایسی معاشرت وجود میں لائی جائے کہ فرد جو بھی کام کرے۔ کسی بھی عمل کو اختیار کرے۔ عمل کی وجہ سے اس کی معاشرتی حیثیت پر کوئی فرق نہ پڑے۔ سول سوسائٹی معاشرت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فرد کی آزادی میں لامتناہی اضافہ دیا جا سکے۔ معاشرتی رکاوٹوں کو دور کیا جا سکے۔

## سول سوسائٹی کی ابتداء

سول سوسائٹی کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ ۱۷ صدی عیسوی تک انسان اپنے آپ کو عبد تصور کرتا تھا کہ اس سے بڑی بھی کوئی ذات موجود ہے، جس کے سامنے اس کو جواب دہ ہونا پڑے گا۔ ہر مذہب میں اس کے اپنے اپنے تصورات تھے، جن پر لوگ قائم تھے۔ کوئی اعلیٰ ہستی اپنے دیوتاؤں کو قرار دیتا، کوئی خدا کو تو کوئی کرشن کو ہر حال میں انسان اپنے سے اعلیٰ کسی ہستی پر یقین رکھتا تھا۔ بالفاظ دیگر انسان اپنے آپ کو عبد تصور کرتا تھا کہ کسی مالک کا غلام ہے۔

۱۷ صدی عیسوی میں فلسفہ یونان اور قدیم سائنسی نظریات کے رد ہونے کی بدولت عیسائیت بھی اپنا استحکام کھو گئی۔ کیونکہ اس نے اپنے کئی نظریات و افکار فلسفہ یونان کے ہم آہنگ کیے ہوئے تھے۔ اس نازک شاخ کے ٹوٹنے سے مذہب عیسائیت بھی لوگوں کی نظر میں بے اعتماد چیز بن گیا۔ عیسائی معاشرے صدیوں سے علم و دانش یونانی فلسفہ اور مذہب عیسائیت سے حاصل کر رہے تھے۔ لیکن ۱۷ صدی میں یہ دونوں بنیادیں متزلزل ہو گئیں۔

یہ ایک بڑی وجہ تھی کہ فلسفہ جدید کو عیسائی معاشروں میں قدم جمانے کا موقع ملا۔ یہ بات واضح رہے کہ فلسفہ جدید میں انسان کی حیثیت عبد کی نہیں ہے، بلکہ انسان خود اس کائنات کا مرکز ہے۔ یہ خود ایک اعلیٰ حقیقت ہے، جس کو کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہونا۔ اسی طرح علم و ہدایت بھی یہ اپنی ذات سے حاصل کرے گا کسی غیر سے۔ یعنی وحی سے علم اخذ نہیں کرے گا۔ اولاً سول معاشرت جن علاقوں میں قائم ہوئی، ان کا تعلق عیسائی مذہب سے تھا۔ جب مذہب اور روایت کا دائرہ کمزور ہوا تو فلسفہ جدید کی وجہ سے فکری تبدیلی نے افراد کی اجتماعیت کو ایک نیا پلیٹ فارم مہیا کیا۔ جس پلیٹ فارم پر آ کر ہر انسان مکمل آزادی کے ساتھ کسی معاشرتی رکاوٹ کے بغیر

من چاہی زندگی گزار سکتا ہے۔ اس پلیٹ فارم کا وجود میں آنا تھا کہ مذہب اور روایت کی جکڑ بندیوں سے تنگ افراد کو یہ معاشرت آئیڈیل نظر آئی، جس میں فرد مکمل آزاد ہے۔ ۱۸ ویں صدی سے قبل لوگ اپنے دائرہ سے باہر اس لیے نہیں جاتے تھے کہ دوسرا کوئی ان کو برداشت نہ کرے گا۔ اس لیے ان پابندیوں کو قبول کیا جاتا۔ فرد اجتماعیت کو اختیار کیوں کرتا ہے۔ انجمن نوعیت کی اجتماعیت اور مذہبی و روایتی اجتماعیت میں فرق؟

## روایتی یا مذہبی اجتماعیت

یہ اجتماعیت بھی تنہا فرد کو بوقت مصیبت وضرورت امداد کرتی ہے۔ جب ایک فرد پر مشکل وقت آجاتا ہے تو خاندان والے یا اہل مذہب مل کر اس کی مدد کرتے ہیں۔ اس طرح کی اجتماعیت فرد کی مدد غرض کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اخوت کی بنیاد پر کیا کرتی ہے۔ الغرض وجہ جو بھی ہو، ان دونوں اجتماعیتوں یعنی سول و روایتی میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ سول اجتماعیت محض مالی مفاد کے تحفظ کی بات کرتی ہے۔ حقوق کی فراہمی کی بات کرتی ہے۔ فرد کی انفرادی اصلاح اور فرد کی انفرادی طرز زندگی کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ جب کہ مذہبی اور روایتی اجتماعیت محض مالی مفاد کے لئے ہی بندے کا ساتھ نہیں دیتی۔ بلکہ اس کے علاوہ نجی امور میں بھی بندے کے اخلاقیات پر نظر ہوتی ہے۔ جب اس میں کوتاہی دیکھی جاتی ہے تو پورا مذہبی اور روایتی معاشرہ اس اخلاقی کمی کو پورا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

اس قسم کی اجتماعیت صرف مالی مفاد کا ہی تحفظ نہیں کرتی، بلکہ فرد کو اخلاقیات کے دائرہ میں بھی رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ جس کی بدولت فرد ایک اچھا شہری بن کر زندگی گزارتا ہے۔

## سول معاشرے کو چلانے والے کلیدی افراد

سول سوسائٹی ڈیزائن ہی تنہاء فرد کے لئے کی گئی ہے کہ وہ من چاہی زندگی گزار سکے۔ کوئی بھی اس کی آزادی میں معاشرتی رکاوٹ پیدا نہ کر سکے۔ ایک ایسا انسان جس کا نہ مذہب سے لگاؤ ہے، نہ خاندان کا نام روشن کرنے سے غرض ہے، نہ وہ ان چیزوں کو اہم تصور کرتا ہے۔ تو ایسے انسان کی زندگی تو بے معنی سی ہو کر رہ جائے گی۔ اب ایسا فرد محنت کرے تو کیوں کرے؟ کس کے لئے کرے؟

تین طرح کے افراد ان سول لائیز لوگوں کی زندگی میں معنویت پیدا کرتے ہیں۔ سول معاشرہ میں تین قسم کے افراد کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔

۱..... آرٹسٹ: خواب دکھاتا ہے یہ عام ہے کہ آرٹسٹ شاعری یا ناول نگاری کی شکل میں فلم یا ڈرامہ بنا کر خواب دکھاتا اور زندگی میں معنویت پیدا کرتا ہے۔

۲..... مینیجر: ان لامتناہی خواہشات کو کس طرح پورا کیا جائے، ان کے حصول میں کامیابی کیسے ممکن ہے۔ یہ بات بتائے گا مینیجر۔ تم اپنی خواہش کو سرمائے کے حصول کے بغیر پورا نہیں کر سکتے۔ اس لیے اگر تم خواہش پورا کرنا چاہو تو اوّل سرمایا حاصل کرو۔ سرمائے کے حصول کا طریقہ بتاتا ہے۔

زیادہ خواہش=(زیادہ پریشانیاں) =زیادہ ناکامیاں

کم خواہش=(کم ناکامیاں)=اور کم پریشانیاں

۳..... تھراپسٹ: سول سوسائٹی میں تیسرا اہم رول تھراپسٹ ادا کرتے ہیں۔ جب ایک فرد اپنی خواہشات کی تکمیل میں ناکامیوں کا سامنا کرتا ہے اور کئی ناکامیوں کا احساس فرد کو بسا اوقات نفسیاتی مریض بنا دیتا ہے۔ تھراپسٹ کا کام یہ ہوتا ہے کہ ان ناکامیوں کو برداشت کرنے کا متحمل بنائے اور اس کو ٹیکنیک بتائے، جس سے اس کا ذھنی دباؤ کم ہو اور پھر سے بھرپور انداز سے کام میں لگ جائے۔

## سول سوسائٹی کی مشکلات اور اداروں کا قیام

جو سول معاشرہ کو فروغ میں مدد دیتے ہیں۔ سول معاشرت میں اخلاقیات کے فقدان کے خلا کو پر کرنے کا ادارہ۔

(۱) میڈیا۔ (۲) سول سوسائٹی کے استحکام کے لئے ادارے۔ (۳) خاص طرز کا نصاب تعلیم۔ (۴) اولڈ ہاؤس۔ (۵) پارلیمنٹ۔ (۶) دارالامان۔ (۷) یتیم خانہ۔ (۸) خودکشی سینٹر۔ (۹) شادی ہال۔ (۱۰) ہوٹل اینڈ گیسٹ ہاؤس۔

## مذہبی اور سول معاشرے کی قانون سازی میں فرق

۱..... ہر معاشرے میں کچھ کاموں کو بہت لازمی اور اہم سمجھا جاتا ہے کہ ان کو انجام دیے بغیر معاشرہ تباہی کا شکار ہو جائے گا۔ ان امور کو قانون کا درجہ دیا جاتا ہے۔

۲..... کچھ کام ہوتے تو لازمی اور ضروری ہیں۔ مگر ان کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ ایسے امور قانون کی شقوں میں داخل نہیں کئے جاتے۔ یعنی ان پر عمل حکومت کرواتی نہیں۔ بلکہ وہ معاشرہ کرواتا ہے، جس میں فرد زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ معاشرے کے

افراد اخلاقی طور پر مجبور کرتے ہیں کہ ان حقوق کی ادائیگی کی جائے۔ وگرنہ لعنت وملامت کرتے ہیں۔

۳..... تیسری قسم کے کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جن کے کرنے پر حکومت مجبور کرتی ہے۔ ہم قانون کہہ سکیں اور نہ معاشرہ مجبور کرتا ہے، جسے ہم اخلاق کا نام دے سکیں۔ بلکہ ایک فرد کا مطالبہ ہوتا ہے۔ اگر کام نہ کیا جائے تو صرف ایک ہی فرد برہم ہوگا، ناراض ہوگا۔ اس کو ہم نام دیں گے آداب کا۔ الغرض معاشرے میں تین طرح کے حقوق ہوتے ہیں۔ جن کا نقشہ یوں بنے گا۔

| |
|---|
| (۱) قانون = پر عمل کرائے گی حکومت |
| (۲) اخلاقیات = پر عمل کرواتا ہے معاشرہ |
| (۳) آداب = پر عمل کرواتا ہے فرد |

سول سوسائٹی میں مستقل اور مسلسل قانون سازی کا عمل جاری رہتا ہے اور نت نئے قانون وجود میں آتے ہیں۔ مغربی مفکرین اس صورتحال سے پریشان ہیں۔ سول سوسائٹی میں اسلامی اقدار باقی نہیں رہ سکتا۔

سول سوسائٹی کے جب قصیدے پڑھے جاتے ہیں تو مذہبی افراد کو مطمئن کرنے کے لئے یہ بات دہرائی جاتی ہے کہ سول معاشرت میں ہر فرد آزاد ہوتا ہے۔ کسی قسم کی روک ٹوک نہیں ہوتی۔ جو چاہے، جس قدر چاہے، عبادت کرے، روزے رکھے، تلاوت کرے، آپ کی آزادی کو مکمل تحفظ دیا جاتا ہے۔ آپ کی ہر رکاوٹ کو دور کیا جاتا ہے، جو بھی دین دار بننا چاہے۔ اس کے لئے دین اختیار کرنے کے زیادہ مواقع موجود ہوتے ہیں۔ الفاظ کا ایسا تانا بانہ بنایا جاتا ہے کہ عام انسان محسوس کرتا ہے کہ سول سوسائٹی شاید اسلامی معاشرت کی شکل ثانی ہے، جس میں اسلام پر عمل کرنے سے بالکل روکا نہیں جاتا۔ یہ بندے کا اپنا قصور ہے، اگر عمل نہ کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ: تناظر کے بدل جانے سے فکر بدل جاتی ہے اور فکری تبدیلی سے عمل میں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ چیزوں کو جس تناظر میں دیکھا جاتا ہے۔ اسی اعتبار سے اس کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔ اعلیٰ کیا ہے؟ ادنی کیا ہے؟ اہم کیا ہے؟ غیر اہم کیا ہے؟ تناظر کے بدل جانے سے اہم امور غیر اہم نظر آنے لگتے ہیں اور غیر اہم کام نہایت ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ تناظر کے بدل جانے سے فکر سوچ بدل جاتی ہے۔ قدر یعنی ایک زمانہ تک جس بات کو علم تصور کیا جاتا ہے تناظر کے بدل جانے سے وہ علمی بات جہالت معلوم ہوتی ہے۔

## برصغیر کے مذہبی و روایتی معاشروں میں تبدیلیاں

سول سوسائٹی ہمارے معاشرے کا ایک خواب ہے جو ابھی تک مکمل طور پر پورا نہیں ہوا۔ مگر تبدیلیاں ضرور رونما ہوتی ہیں، جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً: عورتوں کے حجاب کے متعلق ہی دیکھ لیں کہ حجاب پر مذہبی معاشروں میں تو زور اس لیے دیا جاتا ہے کہ مذہب بے حیائی اور عریانی سے منع کرتا ہے جو مذہبی بھی نہ تھے۔ پھر بھی حجاب پر زور دیتے تھے۔ اس لے کہ شریف خاندان اور عزت و وقار والے لوگ ان کی غیرت گوارا نہیں کرتی تھی کہ ان کی عورتیں بے حجاب بازاروں میں نکلیں۔ بہر حال آج سے تیس یا چالیس سال قبل کی صورتحال سامنے رکھیں اور آج کل کی صورتحال سامنے رکھیں تو نمایاں تبدیلیاں ظاہر ہوں گی۔ اس وقت غیر مذہبی آدمی بھی عورت کو ہاف بازو پہنا کر برہنہ آنے دیتا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے اور آج کل ٹیلی ویژن پر بیٹھ کر برملا کہہ دیا جاتا ہے کہ قرآن و حدیث سے ہم نے یہی سمجھا ہے کہ یہ حکم خاص تھا۔ ازواج مطہرات کے لئے مسلمان عام عورتوں کے لیے نہیں ہے۔

اسی طرح آدمی اپنا ماحول بدل لیتا ہے۔ تناظر تبدیل کرلیا ہے تو پھر اس کو پہلے تو وہ باتیں جو ایمان کو تازہ کردیا کرتی تھیں، نامانوس سی معلوم ہوتی ہیں۔ پھر اس کی آنے والی نسلیں کہتی ہیں۔ ناممکن سی بات ہے، شاید ایسے ہوگیا ہو، اس سے جو اگلی نسل آئے گی۔ آدھی تو کہہ دے گی کہ یہ مولویوں کی باتیں ہیں۔ ہم یقین نہیں کرتے اور بعض اس میں شک کریں گے۔

ترقی کا معنی اسلام اور مسلمانوں نے انسانی ترقی میں کیا کردار ادا کیا؟

## فصل السابع

## ترقی (Devolpmant)

آزادی مساوات کے علاوہ ایک تیسرا اصول (ترقی) ہے۔ جس کے لئے اہل مغرب کسی امر کے صحیح و سقیم کا اندازہ لگائیں گے۔ آزادی مساوات اور ترقی کو اصول کے بجائے عقیدے کا نام دیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ ہر کام میں وہ دیکھیں گے کہ ان تین میں سے کسی پر زد تو نہیں آرہی۔ اگر آزادی پر زد ہے تو وہ کام بھی ان کے نزدیک صحیح نہیں۔ اگر مساوات کے خلاف ہے تو بھی صحیح نہیں اور اگر کوئی کام ایسا ہے، جس سے مادی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو۔ وہ بھی قابل برداشت نہیں ہے۔ ان کے تمام قوانین اور اس کی تمام شقیں انہی بنیادوں کو دیکھ کر تیاری کی

جاتی ہیں۔ مادی ترقی (سرمایہ میں اضافہ) بھی ایک قدر (پیمانہ) ہے۔(Devolpmant) ترقی درحقیقت آزادی کی ہی ایک مادی شکل ہے۔ آزادی کے حصول میں اپنی ہر چاہت پر عمل کرنے کی صلاحیت زر سے ہی ممکن ہے۔ گویا کہ آزادی ایک مادی وجود سرمایہ ہے۔ اسی کے حصول میں ترقی کرنا (Devolpmant) کہلاتا ہے۔ یعنی اپنی خواہشات کی تکمیل مال ودولت کے بغیر۔ ممکن نہیں اور مکمل آزدی کے حصول کی زرودولت کے سوا اور کوئی شکل نہیں ہے تو معلوم ہوا انسان کی آزادی کا ترقی کے ساتھ گہرا ربط ہے۔ لہٰذا جس کے پاس جس قدر دولت ہو گی، وہ آدمی اس قدر آزاد سمجھا جائے گا اور مغربی فلسفہ میں یہ طے ہو چکا ہے کہ انسانیت کا کمال اور انسانیت کی معراج یہ ہے کہ وہ مکمل آزادی موقوف ہوئی سرمایہ پر اور لامحالہ سرمایہ کا طلب کرنا ہی انسان کا اعلیٰ ترین مقصد قرار پایا۔ (وزننگ کارڈ) یہ نظری تبدیلی ۱۷ صدی میں رونمائی ہوئی اور مغرب میں بڑی تیزی سے پھیل گئی اور پھر آہستہ آہستہ مشرقی ممالک میں بھی پھیل گئی۔ اسی نظریہ کا اثر ہے کہ آج کل دنیا بھر میں صدر وزیر اعظم کے ساتھ ساتھ وزیر تجارت اور معاشیات کو بھی خاص اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ مفتی اعظم کو آج وہ اہمیت حاصل نہیں، جو ۱۷ صدی سے قبل عیسائیت میں پوپ کو حاصل تھی اور اوائل اسلام میں مذہبی طبقہ کو حاصل تھی۔ کیونکہ اس وقت سب کا مطمع نظر دنیا کے علاوہ کوئی اور تصور بھی تھا کہ آخرت میں کیا کریں گے۔ اس کے متعلق رہنمائی اپنے مذہبی گروہوں سے لیتے تھے۔ وگرنہ اس کا لفظی معنی ہے بڑھنا۔ سوال یہ ہے کہ کس جانب بڑھنا ترقی کہلائے گا؟ اہداف کی تبدیلی ترقی کے معنی میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ وگرنہ ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کے مابین کیا پیمانہ ہے۔ جس سے ترقی ناپی جاتی ہے۔ نبی پاک ﷺ کے فرمان کے مطابق **خیر القرونی قرنی** کا معنی ومصداق آپ ﷺ کا ہی زمانہ ہے۔ کیونکہ عبد اور معبود کا تعلق اس قدر مظبوط تھا کہ اللہ کا عرش سے پیغام آجاتا ایسا زمانہ پہلے آیا ہے نہ بعد میں آئے گا۔ اس لئے کہ خدا نے نبوت کو ہمارے نبی پر ختم کر دیا ہے اور اب خدا سے وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ جو کہ کبھی بھی بحال نہیں ہوگا۔ آخری پیغام اور شریعت ہمیں دی جا چکی۔

ترقی بایں معنی (معرفت الٰہی) تو محدثین، فقہاء امت کی کاوشیں عظیم کارنامے محسوس ہوں گے اور اگر آج کے بدلے ہوئے پیمانے سے چیک کرو گے۔ ان کے کارنامے عبث اور بیکار، وقت کا ضیاع محسوس ہوں گے۔ غرض سائنس دانوں، معاشیات کے ماہروں کو جو اہمیت حاصل ہے کسی مذہبی منصب کو حاصل نہیں۔ کیونکہ معیشت دان تو ترقی کا طریقہ بتایا جائے گا۔ جس سے تجارت کو فروغ ملے گا اور جو روپیہ حاصل ہوگا جو کہ آزادی کی مادی شکل ہے۔ جب کہ اس کے

مقابلے میں مذہبی تعلیم کے ماہر کی قدر نہیں۔ کیونکہ وہ ایسی چیز کا دعویدار ہے۔ جس کا ترقی سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ بلکہ دنیا سے بے رغبتی کی دعوت دیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے ''**کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل**'' دنیا میں ایسے رہو۔ جیسے کوئی اجنبی یا مسافر رہتا ہے۔ اب یہ تھیوری اس معاشرے کو کیسے ہضم ہو سکتی ہے۔ جن کے لئے دنیا ہی جنت ہے اور آخرت کچھ بھی نہیں۔

## فصل الثامن

## جمہوریت کا تعارف و تجزیہ

**"Governmint of the people by the people for the people."**

یہ حکومت ہے عوام کی، عوام کے ذریعے سے اور عوام کے لئے۔ سب انسان برابر ہیں۔ مرد ہو، عورت ہو، مسلمان ہو یا کافر ہو۔ آزادی سے قانون سازی کرنے کا اختیار، دیئے جانے کا ایک نظام ہے۔

### اسلامی نظام حکومت اور جمہوریت میں بنیادی فرق

جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہے۔ سپر اتھارٹی عوام کو حاصل ہے۔ (**من حیث المجوع**) عوام مل کر جس چیز کو چاہیں جائز قرار دیں جس کو چاہیں ناجائز قرار دیں۔ جو چاہیں قانون بنالیں۔ جب کہ اسلام میں طاقت کا سرچشمہ عوام نہیں۔ بلکہ خدا ہے سپر اتھارٹی اللہ ہے۔ صحیح کیا ہے؟ غلط کیا ہے؟ عوام یا پارلیمنٹ کے نمائندے طے نہیں کریں گے۔ اللہ جل جلالہ طے کریں گے..... حکومت صرف نافذ کرے گی۔

**مثال:** مسلمان کسی غیر مسلم شخص کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کر سکتے۔ کیونکہ شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ ۵۱ رفیصد مسلمان تو کیا، ۸۰ بھی مل کر اس کو اپنا خلیفہ بنانا چاہیں تو یہ مسلمان کا خلیفہ نہ بنے گا۔ کیونکہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ خلیفہ مسلمان ہونا چاہئے۔ کافر خلیفہ اس لئے خلیفہ نہیں بن سکتا کہ سپر اتھارٹی نے اسے قبول نہیں کیا۔ جب کہ جمہوری نظام میں طاقت کا سرچشمہ سپر اتھارٹی عوام ہے۔ اگر ۵۱ رفیصد مسلمان مل کر کسی کو اپنا امیر مقرر کر لیتے ہیں تو جمہوری نظام کی بدولت وہ حاکم بن جائے گا۔ کیونکہ اس نظام میں طاقت کا سرچشمہ (اتھارٹی) عوام ہے جس کو

چاہیں امیر مقرر کرے۔ جب طاقت کا سرچشمہ عوام ہے تو قانون کیا ہوگا۔ کس کو سزا دینی ہے کتنی دینی ہے۔ یعنی قانون بنانے کا کام عوام کرے گی۔ جس کی شکل یہ ہوگی کہ یہ اپنے نمائندوں کو پارلیمنٹ بھیجیں گے۔ وہ قانون سازی کریں گے۔ عوامی رائے کے ساتھ۔ جب کہ اسلام طاقت کا سرچشمہ عوام نہیں ہے۔ بلکہ سپر اتھارٹی خدا ہے۔ وہی قانون مقرر کرے گا۔ وہ ہی بتائے گا کہ کس کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔ کس کے کیا حقوق ہیں۔ فقہ اسلامی کو خدائی قانون کی مرتب شدہ شکل کہا جاسکتا ہے۔ کس کے لئے کیا حکم ہے۔ مرتب انداز میں درج ہے۔ سینکڑوں سال مسلمان اس قانون پر عمل کرتے رہے ہیں۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ جمہوریت میں ایک انسان کی حیثیت یہ ہے کہ قدرت سے عقل کے پالینے کے بعد پھر بھی کسی خارجی طاقت، خدا، رسول، قرآن یا کسی اور ذریعہ سے اپنی زندگی کے بارے میں کمانڈ حاصل کرتا ہے۔ کسی اور سے اپنے رہنے سہنے کے اصول طے کرتا ہے تو یہ بڑی شرم کی بات ہے۔ اس کو ان چیزوں سے رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ یہ خود طے کرے گا کہ اس نے کیسے رہنا ہے۔ عوام کی اجتماعی رائے سے قانون بنانے کے طریقے کو جمہوریت کہتے ہیں، یا یوں کہیں کہ اجتماعی معاملات میں انسان کی چاہت کے مطابق طریقہ زندگی طے کرنے کا نام جمہوریت ہے۔ اسی عوامی رائے کو حاصل کرنے کے لیے ووٹ لئے جاتے ہیں۔ پارلیمنٹ بنائی جاتی ہے۔ ووٹ کا حق مرد و عورت، مسلم و غیر مسلم، یہودی و عیسائی، عالم و جاہل سب کو برابر ملے گا۔ کیونکہ عقل کی وجہ سے مرد عورت، مسلم کافر سب برابر ہیں۔ ان بنیادوں کو سامنے رکھ کر جب اس نظام کی طرف دیکھا جائے تو بغیر کسی الجھن کے یہ سارا سسٹم سمجھ میں آجائے گا۔ حق کو باطل سے الگ کرنے میں مدد ملے گی۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جمہوریت میں اصل مسئلہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اس میں حاکمیت مطلق خدا کی بجائے عوام کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ اسلامی نہیں ہے۔ لہٰذا ہم طے کر لیتے ہیں کہ حاکم مطلق اللہ ہی ہے عوام نہیں ہے۔ اب تو کفر یہ تخم کی ہی بیخ کنی ہوگئی۔ لہٰذا اس کو اسلامی جمہوریہ تسلیم کیا جانا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف اپنے کو مطمئن کرنے کے لئے باتیں ہی ہیں۔ وگرنہ اپنے انجام و حقیقت کے اعتبار سے اس سسٹم میں عملاً حاکمیت مطلق عوام ہی کی رہتی ہے۔

بنیادی اختلاف: عملی طور پر مرکزی اختلاف جمہوریت اور اسلامی طرز حکومت میں اس بات کا ہوتا ہے کہ اسلامی طرز حکومت میں خیر (حکم خدا) کو نافذ کیا جاتا ہے۔ جس سے حقوق خود بخود ادا ہو جاتے ہیں۔ جب کہ جمہوریت میں عملاً آدمی خیر کی تخلیق و تفسیر کا حق رکھتا ہے۔ نتیجتاً

کوئی چیز خیر نہیں رہتی اور سیاست کا نظام حقوق کی بنیاد پر چلنا ہے۔ بنیادی اختلاف یہی ہے کہ جمہوریت میں عملاً حقوق کو نافذ کیا جاتا ہے۔ خیر کو نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ جب کہ اسلامی حکومت میں خیر کو نافذ کرنا اوّلین مقصد ہوتا ہے۔ جب بھی لوگوں کے حقوق کا تضاد احکام الٰہی سے ہوگا تو ترجیح احکام الٰہی کو ہوگی۔

## فصل التاسع

## ہومین رائیٹس کا تعارف و تجزیہ، حقوق انسانی کا عالمی منشور

عبد اور انسان کا فرق: عبد اور انسان میں بنیادی نوعیت کا فرق ہے عبدیت خدا کے وجود کا اقرار ہے اور انسانیت اپنے وجود کو حقیقت تسلیم کرنے کا اظہار ہے۔ (Human Rights) اپنے کو خدا قرار دینے کا فلسفہ ہے۔

ہومین رائیٹس چارٹر کی تاریخ: بنیادی حقوق کا منشور امریکی صدر ''روزویلٹ'' کی اہلیہ ''ایلینا روزویلٹ'' کے قلم سے تحریر ہوا تھا۔ بنیادی حقوق کا منشور پہلے اخبارات میں چھاپا گیا اور آئینی مباحث پر زبردست بحث چھیڑی گئی۔ اخبارات کے یہ مضامین فیڈرلسٹ پیپر کے نام سے مشہور ہوئے۔ پھر انہی پیپروں سے قومی اسمبلی کے مقرر کردہ ممبروں نے انسانی حقوق کا چارٹر تیار کر کے اقوام متحدہ کو پیش کیا۔ بنیادی حقوق کے بارے میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ انسانی حقوق میں دیے گئے۔ عام حقوق مطلق ہیں۔ اس میں کوئی If اور But نہیں ہے۔ اگر مگر کی تفصیل سے بالاتر ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ مغربی ایمانیات وعقائد کا حصہ ہے۔ اس میں لفظاً اور عملاً کسی قسم کی کمی پیشی کی اجازت نہیں۔

انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ ۱۹۴۸ء: اقوام متحدہ نے فروری ۱۹۴۶ء میں ۵۳ ارکان پر مشتمل انسانی حقوق کا کمیشن قائم کیا۔ اس کمیشن کی ذمہ داری یہ تھی کہ ایک ایسا مسودہ تیار کر کے جنرل اسمبلی کے سامنے پیش کرے جو تمام ارکان ممالک کی مذہبی روایات سیاسی نظریات قانونی نظام اقتصادی معاشرتی اور ثقافتی طور طریقوں میں تفاوت پائے جانے کے باوجود ان کے لئے قابل قبول ہو۔ کمیشن نے انسانی حقوق کا مسودہ تیار کیا اور جنرل اسمبلی کو پیش کیا اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو منظور کیا گیا۔

اس کو انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ کے نام سے موسوم کیا گیا اور تمام رکن ممالک سے اپیل کی گئی کہ وہ اپنی اقوام کو بلا امتیاز اس اعلامیہ اور منشور میں دے گئے تمام معاشرتی سیاسی اور

معاشی حقوق دیں اور ان حقوق کی حفاظت کریں۔

احکام اور حقوق میں فرق: اسلام ایک عالمگیر دین ہے۔ جس میں مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ہر ایک کے لئے مسائل و احکام طے ہیں اور ہر انسان اور اس کے گرد و نواح میں موجود چیزوں کے حقوق مقرر ہیں۔ مگر ان کی حیثیت اور ہے اور مغرب جب کسی حق کو ثابت کرتا ہے تو اس کی حیثیت میں فرق ہے۔

اسلام میں احکام (فرائض) نافذ کیے جاتے ہیں۔ جس سے ہر ایک کو احسن طریقہ سے حق خود بخود مل جاتا ہے۔ الگ سے حقوق کی فہرست تیار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ نہ اس کے مطالبے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بلکہ ایک حکم کے بجالانے سے ہی کئی حقوق خود بخود ادا ہو جاتے ہیں۔ اصل نافذ کرنے کی چیز احکام و فرائض ہوتے ہیں۔ تمام سلف و خلف کا طریقہ کار اور مکمل انسانی تاریخ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ بطور قانون نافذ ہونے والی چیز احکام ہوتے ہیں نہ کہ حقوق۔ کتب فقہ میں بھی احکام کو تفصیلی طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اسلامی فقہ ہی اسلامی قانون ہے۔

اگر حقوق کا ذکر کیا بھی جائے تو وہ اخلاقی پہلو سے قابل عمل بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثلاً والدین کے حقوق ادا کرنے کی ترغیب دی جائے گی۔ نافرمانی کرنے والے کو وعید سنائی جائے گی۔ اس کو اخلاقی طور پر مجبور کیا جائے گا اور سمجھایا جائے گا کہ والدین کی خدمت کرے۔ لیکن اس حق تلفی کی وجہ سے اس کو تعزیر کرنا، سزا دینا، جیل میں رکھنا یا اس جیسی کوئی اور سزا دینا یہ اسلامی طرز عمل نہیں۔

لیکن مغرب میں احکام نام کی کوئی چیز نہیں ہے، جس کو قانون بنا کر نافذ کر سکیں۔ اس لئے کہ وہ تمام اعلیٰ اتھارٹی کا انکار کر چکے ہیں۔ خیر اور شر کسی اور ہستی یعنی خدا سے طے کروانے کی بجائے ہر بندہ خود خیر اور شر کا تعین کرے گا۔ جب ہر ایک کو اختیار ہے تو درحقیقت خیر کوئی چیز نہ رہے گی۔ ہر طرف مطلق العنانی ہوگی۔ کیونکہ کوئی آدمی کسی بات کو خیر قرار دے گا۔ دوسرا اس کے برعکس نظریات و کردار کو خیر اور حق قرار دے گا۔ اس لئے وہ اخلاقیات کو بطور قانون نافذ کرنے پر مجبور ہیں۔

## ایک نظر انسانی حقوق کے عالمی منشور پر

## (یہ عالمی منشور بعینہ نقل کیا جا رہا ہے)

تمہید: چونکہ ہر انسان کی ذاتی عزت اور حرمت انسانوں کے مساوی ناقابل انتقال حقوق کو تسلیم کرنا دنیا میں آزادی، انصاف اور امن کی بنیاد ہے۔ چونکہ انسانی حقوق سے لاپرواہی

اوران کی بے حرمتی اکثر ایسے وحشیانہ افعال کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے، جن سے انسانیت کے ضمیر کو سخت صدمے پہنچے ہیں اور عام انسانوں کی بلند ترین آرزو یہ رہی ہے کہ ایسی دنیا وجود میں آئے جس میں تمام انسانوں کو اپنی بات کہنے اور اپنے عقیدے پر قائم رہنے کی آزادی حاصل ہو۔ خوف اور احتیاج سے محفوظ رہیں۔ چونکہ یہ بہت ضروری ہے کہ انسانی حقوق کو قانون کی علمداری کے ذریعے محفوظ رکھا جائے۔ اگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ انسان عاجز آ کر جبر اور استبداد کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور ہوں۔ چونکہ کہ ضروری ہے کہ قوموں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو بڑھایا جائے۔ چونکہ اقوام متحدہ کی ممبر قوموں نے اپنے چارٹر میں بنیادی انسانی حقوق انسانی شخصیت کی حرمت اور قدر مردوں اور عورتوں کے مساوی حقوق کے بارے میں اپنے عقیدے کی دوبارہ تصدیق کر دی ہے اور وسیع تر آزادی کی فضا میں معاشرتی ترقی کو تقویت دینے اور معیارِ زندگی کو بلند کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ چونکہ ممبر ملکوں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے اشتراکِ عمل سے ساری دنیا میں اصولاً اور عملاً انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کا زیادہ سے زیادہ احترام کریں گے اور کرائیں گے۔ چونکہ اس عہد کی تکمیل کے لئے بہت اہم ہے کہ ان حقوق اور آزادیوں کی نوعیت کو سب سمجھ سکیں۔ لہٰذا جنرل اسمبلی اعلان کرتی ہے کہ انسانی حقوق کا یہ عالمی منشور تمام اقوام کے واسطے حصول مقصد کا مشترک معیار ہوگا۔ تاکہ ہر فرد اور معاشرے کا ہر ادارہ اس منشور کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہوئے تعلیم و تبلیغ کے ذریعے ان حقوق اور آزادیوں کا احترام پیدا کرے اور انہیں قومی اور بین الاقوامی کاروائیوں کے ذریعے ممبر ملکوں میں اور ان قوموں میں جو ممبر ملکوں کے تحت ہوں منوانے کے لئے بتدریج کوشش کر سکے۔

دفعہ نمبر۱: تمام انسان آزاد اور حقوق اور عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں ضمیر اور عقل ودیعت ملی ہے۔ اس لئے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہئے۔

دفعہ نمبر۲: ہر شخص تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے، جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قوم، معاشرے، دولت، یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔ اس کے علاوہ جس علاقے یا ملک سے جو شخص تعلق رکھتا ہے اس کی سیاسی کیفیت دائرۂ اختیار یا بین الاقوامی حیثیت کی بنا پر، اس سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ چاہے وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختیار ہو یا سیاسی اقتدار کے لحاظ سے کسی بندش کا پابند ہو۔

دفعہ نمبر۳: ہر شخص کو اپنی جان، آزادی اور ذاتی تحفظ کا حق حاصل ہے۔

دفعہ نمبر۴: کوئی شخص غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع قرار دی جائے گی۔

دفعہ نمبر۵: کسی شخص کو جسمانی اذیت یا ظالمانہ، انسانیت سوز، یا ذلیل سلوک سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ نمبر۶: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر مقام پر قانون اس کی شخصیت کو تسلیم کرے۔

دفعہ نمبر۷: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پا لینے کے برابر حقدار ہیں۔ اس اعلان کے خلاف جو تفریق کی جائے یا جس تفریق کے لئے ترغیب دی جائے، اس سے سب برابر کے بچاؤ کے حق دار ہیں۔

دفعہ نمبر۸: ہر شخص کو ان افعال کے خلاف جو اس دستور یا قانون میں دیئے ہوئے بنیادی حقوق کو تلف کرتے ہوں، باختیار قومی عدالتوں سے مؤثر طریقے پر چارہ جوئی کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔

دفعہ نمبر۹: کسی شخص کو محض حاکم کی مرضی پر گرفتار، نظر بند یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ نمبر۱۰: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کا تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے بارے میں مقدمہ کی سماعت آزاد اور غیر جانب دار عدالت کے کھلے اجلاس میں منصفانہ طریقے پر ہو۔

دفعہ نمبر۱۱: ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری کا الزام عائد کیا جائے یا بے گناہ شمار کئے جانے کا حق ہے۔ تاوقتیکہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع نہ دیا جا چکا ہو۔ کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بنا پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ نمبر۱۲: کسی شخص کی نجی زندگی یا خانگی یا گھر بار یا خط و خطابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے گی اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کا حق ہے کہ قانون اسے حملے یا مداخلت سے محفوظ رکھے۔

دفعہ نمبر۱۳: ہر شخص کا حق ہے کہ اسے ہر ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور سکونت اختیار کرنے کی آزادی ہو۔ ہر شخص کو اس بات کا حق ہے کہ وہ ملک سے چلا جائے۔ چاہے

یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ نمبر ۱۴: ہر شخص کو ایذا رسانی سے دوسرے ملکوں میں پناہ ڈھونڈنے اور پناہ مل جائے تو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا، جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصول کے خلاف ہیں۔

دفعہ نمبر ۱۵: ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔ کوئی شخص محض حاکم کی مرضی پر اپنی قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور اس کو قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار نہ کیا جائے گا۔

دفعہ نمبر ۱۶: بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی ایسی پابندی کے جو نسل قومیت یا مذہب کی بناء پر لگائی جائے، شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازدواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملہ میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ نکاح فریقین کی پوری اور آزاد رضامندی سے ہوگا۔ خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حق دار ہے۔

دفعہ نمبر ۱۷: ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔ کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ نمبر ۱۸: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے اور پبلک میں یا نجی طور پر، تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل جل کر عقیدے کی تبلیغ، عمل، عبادت اور مذہبی رسمیں پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ نمبر ۱۹: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی رائے قائم کرے اور جس ذریعے سے چاہے بغیر ملکی سرحدوں کا خیال کیے علم اور خیالات کی تلاش کرے۔ انہیں حاصل کرے اور ان کی تبلیغ کرے۔

دفعہ نمبر ۲۰: ہر شخص کو پرامن طریقے پر ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ نمبر ۲۱: ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔ ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر حق ہے۔ عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔

یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی، جو عام اور مساوی رائے دہندگی سے ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مساوی کسی دوسرے آزادانہ طریق رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ نمبر۲۲: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی کہ وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کے آزادانہ نشوونما کے لئے لازم ہیں۔

دفعہ نمبر۲۳: ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخابات، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔ ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لئے مساوی معاوضے کا حق ہے۔ ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول معاشرے کا حق رکھتا ہے۔ جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لئے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذرائع سے اضافہ کیا جاسکے۔ ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لئے تجارتی انجمنیں قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ نمبر۲۴: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے کہ جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے علاوہ مقررہ وقفوں کے ساتھ تعطیلات بھی شامل ہیں۔

دفعہ نمبر۲۵: ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح وبہبود کے لئے مناسب معیار زندگی کا حق ہے۔ جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات شامل ہیں اور بے روزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا یا ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق حاصل ہے۔

دفعہ نمبر۲۶: ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم مفت ہوگی۔ کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں ابتدائی تعلیم جبری ہوگی۔ فنی پیشہ وارانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنیاد پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لئے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔ تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لئے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔ والدین کو اس بات کے انتخاب کا اوّلین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ نمبر ۲۷: ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، ادبیات سے مستفید ہونے اور اس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفاد کا بچاؤ کیا جائے، جو اسے ایسے سائنسی، علمی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ نمبر ۲۸: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام میں شامل ہونے کا حقدار ہے۔ جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہوسکیں، جو اس اعلان میں پیش کر دیے گئے ہیں۔

دفعہ نمبر ۲۹: ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں۔ کیونکہ معاشرے میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔ اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا، جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے یا جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لئے قانون کی طرف سے عائد کئے گئے ہیں۔ یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصول کے خلاف عمل میں نہیں لائی جاسکتیں۔

دفعہ نمبر ۳۰: اس کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جاسکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو، جس کا منشاء ان حقوق اور آزادیوں کی تخریب ہو۔ جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

## فصل العاشر

## علوم وحی اور سائنس

علوم وحی اور سائنس کی حقیقت: اسلام کے اثبات یا رد میں سائنس سے دلائل دینا سائنسی منہاج میں علم کی تعریف سائنٹیفک میتھڈ کیا ہے؟ عصر حاضر میں ایجادات کا سیلاب کیوں ایک منہاج العلم سے دوسرے علم کی توثیق یا تردید اسلامی علمیت یا احکام و مسائل کی آفاقی دلیل۔

جس طرح ہر معاشرے میں اپنے اقدار ہوتے ہیں۔ یعنی چیزوں کو ناپنے کے پیمانے ہوتے ہیں۔ مثلاً عیسائیت جس معاشرت پر زور دے گی اس میں قدر بائبل ہوگی۔ مسلمان جس معاشرت پر زور دیں گے، اس معاشرے میں کیا صحیح ہے؟ کیا غلط ہے؟ کیا اعلیٰ ہے؟ کیا ادنیٰ ہے؟ اس کے بارے میں جانیں گے وہ قرآن وسنت سے۔ یعنی قدر قرآن وسنت ہوں گے۔ ہندو ازم میں اقدار اسی نوعیت کی ہوں گی۔ اسی طرح سوسائٹی میں اقدار مختلف نوعیت کی ہیں۔ اقدار سے

ہی طے کیا جاتا ہے کیا چیز ادنی ہے اور کیا چیز اعلی ہے اور کیا غیر اہم۔ معاشرہ جس چیز کو بھی اعلی قرار دے اس چیز کے بارے میں جاننے کو علم کہا جاتا ہے اور وہی لوگ تعلیم یافتہ اور علم والے شمار ہوتے ہیں۔ اس لئے جو شخص معاشرے میں طے شدہ اعلی چیز کے بارے میں معلومات نہیں رکھتا، وہ فرد تعلیم یافتہ شخص نہیں سمجھا جاتا۔ اس کو علم سے نا آشنا قرار دیا جاتا ہے۔

معاشرت کے بدلنے سے اہم کیا ہے اور غیر اہم کیا ہے، ان تصورات میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ یہی اہم اور غیر اہم کا نظریہ طے کرتا ہے کہ علم کیا ہے مسلمان معاشرت میں علماء ان کو کہا جائے گا، جو قرآن وسنت کا علم رکھتے ہیں۔

جب تک مسلم معاشروں کا ہدف اوّل خدا کی رضا حاصل کرنا تھا، تو اہل علم صرف وہی افراد کہلاتے تھے جو یہ بتاتے کہ اس کام سے خدا راضی ہوگا اور اس سے ناراض ہوگا۔ سیکولرازم یا لبرل ازم جب وار کرتا ہے تو اس کا نشانہ سب سے پہلے اس بات پر آ کر لگتا ہے کہ اہداف کی ترتیب بدل جاتی ہے۔ جس سے علوم کی ترتیب بھی بدل جاتی ہے۔ اس کا عملی اظہار ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جس اہمیت کی نظر سے سائنس دان، بینک منیجر، انجینئر کو دیکھا جاتا ہے۔ مولوی صاحب کو نہیں دیکھا جاتا۔ بعض لوگوں نے اس کا حل یہ نکالا کہ عصر حاضر کے انسان، چونکہ بہت ترقی کر چکے ہیں۔ ان کے اہداف ومقاصد زندگی بدل گئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں علم کے پیمانے بھی تبدیل ہو گئے ہیں۔ لوگ سائنس کو ایک مسلمہ اصول کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ سائنسی طریقے سے دی گئی دلیل آفاقی نوعیت کی دیتے ہیں۔

اس آفاقی دلیل کے چکر میں اسلام اور سائنس کے عنوان پر کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور اس قسم کی آفاقی دلیل کی دھوکے میں کئی مذہبی افراد اپنا وقت صرف کر رہے ہیں اور یہ دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ سائنس اور اسلام قدم بقدم ہیں۔ تم سائنس کو تو جانتے ہو، اسلام کو بھی مان لو۔ ایک مسلمہ اور محکم اصول کے طور پر سائنسی علوم کو معیار بنایا جاتا ہے اور جزئیات اسلام کی ان کے ساتھ ہم آہنگی دکھا کر اسلام کے جواز پر دلیل قائم کی جاتی ہے۔

## اسلام کے اثبات یا رد میں سائنس سے دلائل دینا

کمزور دلیل مضبوط ترین موقف کو بھی کمزور ترین کر دیتی ہے۔ اسی تناظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ سائنس مذہب یا مذہبی مسائل کے لئے دلیل بن سکتی ہے یا بات کو جاننے سے قبل ہم سائنس کی حقیقت جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ علم سائنس کیا ہے۔ سائنس کس چیز کو ذریعہ علم تسلیم کرتی

ہے؟ قدیم اور جدید سائنس میں کیا فرق ہے؟ صرف ان دو سو سالوں میں ہی سائنس نے ایجادات کا انقلاب برپا کیوں کیا؟ اس سے قبل سائنس دان اپنے فن میں امام ہونے کے باوجود ایجادات میں انقلاب نہ لا سکے۔ قدیم سائنس اور ٹیکنو سائنس میں مابعد الطبعیاتی کیا فرق ہے اور اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں نے اپنے مذہب کو اپنے زمانے کے سائنسی نظریات سے ہم آہنگ کر کے پیش کیا تھا تو انہوں نے کس قدر خسارہ اٹھایا اور مذہبی عقائد ونظریات اس حرکت کی بدولت کیسے تضحیک کا نشانہ بنے۔ سائنسی نظریات بدل جانے کے بعد مذہب بے حیثیت ہو کر رہ گیا ہمارے دور میں چونکہ علم سائنس اور ٹیکنالوجی کو بڑی اہمیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور کچھ لوگوں کا تو خیال ہے کہ مذہب سائنس کے بغیر اندھا ہے۔ (نعوذ باللہ) قرآن وحدیث پر یا مسائل شرعیہ پر سائنسی منطقی عقلی دلائل دینے سے پہلے ایک نظر ہم ان معاشروں پر ڈالتے ہیں، جنہوں نے صدیوں پہلے یہ تجربہ کیا تھا۔ پھر ان کا کیا حال ہوا۔ ۲۸۰ ق م سے لے کر پندرہویں صدی تک فلسفہ و سائنس اور عیسوی مذہب کا آپس میں اجماع تھا کہ زمین ساکن ہے اور دیگر نظریات میں بھی یہ تینوں ایک دوسرے کے ہم آہنگ ہو کر چل رہے تھے۔

عیسائیت نے اپنے استحکام کے لئے کچھ دیر عارضی فائدہ حاصل کر لیا کہ اپنے اثبات اور جواز کی دلیل فلسفیانہ منہاج علم اور سائنسی طرز استدلال سے قائم کی اس نے مذہبی منہاج العلم کو فلسفیانہ، سائنسی اور منطقی یونانی علوم کے منہاج سے مخلوط کر لیا۔ حالانکہ دینی علم کا منہاج فلسفیانہ یونانی علوم کے منہاج سے یکسر مختلف تھا۔ عیسائیوں کی اس مخالطت کے بعد مذہبی طرز استدلال دینی منہاج علم کی بجائے سائنسی و یونانی منہاج علم مقبول ہوا۔ فلسفہ یونان اور قدیم سائنس مذہب میں مکمل طور پر داخل ہو گئے۔

مثلاً زمین ساکن ہے۔ یہ اس وقت کا مقبول ترین نظریہ تھا۔ جس پر فلسفہ یونان اور قدیم سائنس کا اجماع تھا تو عیسائیوں نے اس مسلمہ نظریے کی توثیق یوں پیش کی کہ ضرور ایسا ہی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہی سکون ارض پر کافی دلیل ہے۔ کیونکہ جس جگہ اللہ کا بیٹا جلوہ گر ہو تو تمام کائنات کو چاہئے کہ اس کا طواف کرے۔ اسی طرح قدیم فلسفہ اور سائنس کا نظریہ تھا کہ مخالف سمت میں کوئی خطہ زمین نہیں ہے۔ اگر ہے بھی تو انسان آباد نہیں ہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں تشریف نہیں لے گئے۔ ایک طویل عرصہ قدیم سائنس، یونانی فلسفہ اور عیسائیت آپس میں ہم آہنگ ہو کر چلتے رہے۔

۱۷ ویں صدی میں جب جدید فلسفہ اور جدید سائنس نے جنم لیا تو اصل جنگ یونانی فلسفہ

اور جدید فلسفہ کی تھی۔ اصل مد مقابل تو قدیم سائنس اور سوشل سائنس، جدید سائنس تھی۔ کچھ نظریے جو صدیوں سے چلے آ رہے تھے اس وقت کے لوگوں نے اپنی استعداد اور علم کے مطابق نظریہ قائم کیا تھا۔ بعد میں آنے والے لوگوں نے کچھ اور طرح کے نظریات پیش کئے۔ نئی سائنسی تحقیقات سامنے آ رہی تھی۔ چونکہ عیسائیت قدیم سائنسی نظریات کا جواز بائبل سے دے چکی تھی۔ اس وجہ سے انحراف ممکن نہیں تھا۔ اس لئے جو بھی کوئی ایسا نظریہ پیش کرتا جو قدیم سائنسی نظریات کے خلاف ہوتا۔ اسے عبرتناک سزا دی جاتی اور پھر نئے نظریات کو دبانے کی کوشش کی جاتی۔ سائنس دانوں کو نشان عبرت بنایا جاتا۔ جس وجہ سے عیسائیت پر یہ بھی الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ نئے علوم سائنس کے مخالف تھے۔ اس لئے مذہب عیسائیت شکست و ریخت کا نشانہ بنا۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عیسائیت کی شکست کا سبب سائنس اور فلسفہ کو اپنے اندر داخل کرنا تھا۔ اگر عیسائیت دینی منہاج علم کو ہی اس کی مابعد الطبعیات کے ساتھ برقرار رکھتی، سائنسی منہاج علم اختیار نہ کیا جاتا تو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ مذہب تو حقیقت بیان کرتا ہے۔ حقیقت تو وہ ہوتی ہے جو کبھی بدل نہیں سکتی اور اپنے ہونے کے لئے کسی دوسرے جواز کی محتاج نہیں ہوتی۔ مذہب اپنے اثبات کے لئے اپنے اندر جواز رکھتا ہے۔ سائنس سے اس کی توثیق یا تردید کرنا خود غیر سائنسی، غیر منطقی طریقہ کار ہے۔ سائنس کا کوئی نظریہ حتمی نہیں ہوتا۔ ہر وقت تبدیلی کا امکان رکھتا ہے۔ اس لئے دونوں کے منہاج الگ الگ ہے۔ ہر تعقل اپنے منہاج میں درست نظر آتا ہے۔ منہاج بدل جائے تو عقلی دلائل غیر عقلی معلوم ہوتے ہیں۔ جس طرح دو ہزار سال تک سورج متحرک اور زمین ساکن رہی، لیکن دو ہزار سال بعد منہاج علم بدل گیا تو قدیم مذہبی علم و عقلی دلائل مسترد کر دیئے گئے۔

عیسائیت کی شکست کی سب سے بڑی وجہ فلسفہ یونان کا ختم ہونا اور قدیم سائنسی نظریات کا بالکل غلط ہونا۔ کیونکہ اسی شاخ نازک پر عیسائیت اپنا آشیانہ تعمیر کر چکی تھی۔ جب یہ دونوں چیزیں جدید فلسفہ اور سوشل سائنس کا مقابلہ نہ کر سکیں اور نئی فکر کے سامنے مات کھا گئی تو عیسائی نظریات بھی بے بنیاد ہو کر رہ گئے۔ اپنی اس حماقت پر چرچ نے ۳۵۰ سال بعد معذرت بھی کی۔ مگر اس وقت معذرت طلب کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس غیر دانش مندانہ اور غیر دینی رویے کے باعث مغرب میں کلیساء غیر اہم ادارے بن کر رہ گئے اور یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ دنیاوی امور میں مذہب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک طاقت کے زور پر نئے نظریات کو دبانے کی کوشش کی جاتی۔ سائنس دانوں کو نشان عبرت بنایا جاتا۔ جس وجہ سے عیسائیت پر یہ بھی الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ نئے علوم سائنس کے مخالف تھے۔ اس لئے مذہب عیسائیت شکست و ریخت کا نشانہ بنا۔

## سائنسی منہاج میں علم کی تعریف

۱..... اس علم پر شک کیا جاسکتا ہو۔

۲..... اس میں غلطی کے امکان کو تسلیم کیا جاتا ہو اور اسے درست بھی کیا جاسکتا ہو۔

۳..... اس پر تجربہ کیا جاسکتا ہو۔

فلسفہ سائنس کی کوئی کتاب پڑھ لی جائے، ہر کتاب میں یہی تصور اور نظریہ اور اصول ملے گا کہ حواس خمسہ کی بنیاد پر حاصل کردہ علم اخذ کردہ نتائج، مشاہدات اور تجربات سے صرف امکانی سچ [Probable Truth] تک رسائی ممکن ہے۔ نہ کہ ٹھوس قطعی، اصلی، واقعی اور ابدی سچائی تک۔

سائنسی علم اس علم کو کہتے ہیں جس میں کذب اور تردید کا امکان ہر وقت موجود رہتا ہے۔ جس نظریے میں رد ہونے کے زیادہ امکانات ہوں گے وہ نظریہ زیادہ ترقی کرے گا۔ ارتقاء کی منازل کا سفر کامیابی سے طے کرے گا۔

سائنس کا کوئی بھی نظریہ ہو وہ حتمی و قطعی نہیں ہوسکتا۔ ہر وقت اس میں تبدیلی کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اگر کوئی نظریہ اس حد تک یقینی ہو جائے کہ اس میں شک اور تردد کا امکان بھی موجود نہ رہے تو وہ نظریہ علم کی تعریف سے خارج ہو جائے گا۔ بلکہ اس کو تو عقیدہ کہا جائے گا۔

لہٰذا سائنس کا کوئی نظریہ مسلمہ و قطعی اور ناقابل تبدیل نہیں ہوسکتا۔ ہر نظریہ اپنے اندر امکان تبدیل رکھتا ہے۔ جب کہ مذہب کا منہاج اس سے بالکل جدا ہے۔ اس کے نظریے قطعی اور ناقابل تغیر ہوتے ہیں۔ اس میں علم قطعی اور شک سے پاک ہوتا ہے۔

ہر عقل مند انسان سمجھ سکتا ہے کہ قطعی اور حتمی چیز کے اثبات یا تردید کے لئے غیر قطعی اور غیر حتمی بات کو دلیل بنانا احمقانہ عمل ہے۔ عصرِ حاضر میں سائنٹیفک میتھڈ کے مطالبے کا رجحان بڑھتا چلا جارہا ہے۔ عوام کے اس مطالبے پر اسلام کو بھی سائنٹیفک میتھڈ پر بیان کرنے کی غیر سنجیدہ کوشش کی جاتی ہے۔ جو آدمی سائنٹیفک میتھڈ سے بات کرے اسے پڑھا لکھا سمجھا جاتا ہے۔ جو آدمی قرآن وسنت سے اثبات کی دلیل سننے کے بعد پھر بھی سائنٹیفک میتھڈ سے دلیل طلب کرے تو علماء کی ذمہ داری ہے کہ اس کو سائنٹیفک میتھڈ سے سمجھانے کی بجائے اس کے ایمان کا جائزہ لیں اور اس کے ایمان کے گراف پر محنت کریں۔ ہو سکے تو اس کو وحی کی قطعیت اور سائنٹیفک میتھڈ کا غیر حتمی اور قابل تردید ہونا سمجھا دیں۔

## سائنٹیفک میتھڈ کیا ہے؟

انسانی ذہن کے استعمال کے نتیجے میں پیدا ہونے والے کوششوں کو جاننے کا طریقہ سائنٹیفک میتھڈ کہلاتا ہے۔

جب کہ مذہب انسانی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ربِ ذوالجلال کا کرم ہے۔ محض اس کی طرف سے رہنمائی وعطا ہے۔ لہٰذا علم وحی یعنی دین کا موازنہ یا اس کی تصدیق، تائید وتوثیق کے لئے انسانی ظنی، قیاسی، حسی، تجرباتی، غیر قطعی، عقلی، وجدانی یا سائنسی طریقے سے مدد لینا غیر دینی اور غیر سائنسی رویہ ہے۔ خود سائنس کے منہاج علم میں بھی یہ طریقہ قابل قبول نہیں اور مذہب کے منہاج میں بھی یہ غیر معتبر طریقہ کار ہے۔ (یعنی حصول علم کا ہر وہ طریقہ جس کے ذریعہ نفسِ انسانی بنے، مثلاً انسانی مشاہدے، تجربے، احساس یا قوت سمعہ یا حاصل کردہ نتیجہ سب سائنٹیفک میتھڈ کے زمرے میں آئیں گے)

## عصرِ حاضر میں ایجادات کا سیلاب کیوں؟

جدید سائنس: جدید سائنس کا مقصد حقیقت کی تلاش نہیں بلکہ حقیقت تو تلاش ہو چکی ہے کہ سب سے اعلیٰ حقیقت انسان ہے۔ لہٰذا اس حقیقت کو پر اثر بنانے کے لئے انسان کی خدمت کرے گی۔ مختصر یہ کہ عصرِ حاضر کی سائنس کا مقصد تحقیق کائنات نہیں بلکہ تسخیر کائنات ہے۔

'I will com a superman' ہر وہ مادی رکاوٹ جو انسان کی آزادی میں رکاوٹ بنے اس کو دور کیا جائے گا۔ سائنس کے ذریعے تاکہ انسان اپنی مطلق العنان آزادی کا برملا اظہار کر سکے اور عصرِ حاضر کی سائنس کا دعویٰ ہے، ہم دنیا کو ایسا بنا دیں گے جیسا کہ Human been چاہتا ہے۔ قدرت کو مسخر کرنا، یہ مشن ہے۔ ایجادات میں انہی دو سو سالوں میں ترقی اسی فکر کا نتیجہ ہے کہ مقصد سائنس تبدیل ہو گیا۔

ایک منہاج العلم سے دوسرے علم کی توثیق یا تردید ایک منہاج سے کسی دوسرے منہاج العلم کا کسی جزی کی تردید یا توثیق غیر سائنسی اور غیر دینی طرزِ عمل ہے۔ اس جملہ کو ایک آسان مثال سے یوں سمجھیں۔ ایک آدمی ایلوپیتھی، ڈاکٹری طریقہ علاج شروع کرواتا ہے۔ مثلاً آپریشن کروالیتا ہے۔ آپریشن کے بعد وہ ایلوپیتھی طریقہ علاج کو چھوڑ کر ہومیو پیتھک علاج کروانا چاہتا ہے تو کوئی بھی عقل مند ڈاکٹر اس کو ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہ دے گا۔

حالانکہ دونوں طریقہ علاج ہیں اور دونوں علوم میں بدن انسانی کو ہی مدنظر رکھ کر نتائج اخذ کئے ہیں اور دونوں ایک خاص مرض کا ہی علاج کریں گے۔ اتنی ساری مماثلت کے باوجود مریض کو کبھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے آپریشن تو ایلوپیتھی کے ذریعہ کروالیا ہے اور ادویات ہومیوپیتھک کی استعمال کرلیں۔

اس لئے کہ ان دونوں کا منہاج العلم الگ الگ ہے۔ دینی مسائل کا الگ اور سائنٹیفک میتھڈ کا الگ، ایسا طرزِ عمل وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جو سائنس کی حقیقت سے ناآشنا ہیں یا پھر حد درجہ کے مرعوب ہیں۔ اس طرزِ عمل کو سائنسدان بھی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ بعض لوگ قرآن کی آیات پڑھ پڑھ کر جدید سائنسی علوم کی تشریح شروع کردیتے ہیں کہ ان لوگوں نے علم سائیکالوجی علم طبعیات یا فلاں ٹیکنالوجی قرآن سے نکالی ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان لوگوں نے تو باوجود کفر کے اور باوجود قرآن پر یقین نہ رکھنے کے پھر بھی اتنے علوم اخذ کرلئے تو مسلمان مفسرین، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، علامہ آلوسی، صاحب ابن کثیر اور ہزاروں مفسرین حضرات کیا کرتے رہے؟ ان کو کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی کہ اتنے علوم بیان کئے گئے ہیں۔ یعنی کافروں کو تفہیم قرآن پر اس قدر عبور اور یہ شمع ہدایت کے پروانے اپنی زندگیوں کو فہم قرآن پر نچھاور کرنے والے قرآن کے ایک ایک لفظ کے بارے میں آگاہی حاصل کرنے کو **دنیا وما فیھا** سے بہتر جاننے والے قرآن کی فہم میں پیچھے رہ گئے اور قرآن کے مضامین کافروں پر جس طرح کھلے، مسلمان اس سے ناواقف رہے؟

جب کسی بھی چیز پر دلیل سائنس کے اصولوں کے مطابق دی جاتی ہے تو اس شئے کو رد کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ سائنسی علم ایک آفاقی علم ہے۔ اس کا منہاج آفاقی سطح پر تسلیم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اسلام کے حق ہونے پر جب آفاقی نوعیت کی دلیل دی جائے گی۔ یعنی سائنس کی روشنی میں اس کی حقانیت ثابت کی جائے گی تو عالم کفر اسلام کی حقانیت سے منہ نہ موڑ سکے گا۔ اس لئے اسلام اور سائنس کو ہم آہنگ کرکے پیش کرنا دین اسلام کی بہت بڑی خدمت سمجھا جاتا ہے۔ اس سوال کے جواب سے قبل یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ ہم سے پہلے عیسائیت اس طرح کا تجربہ کرچکی ہے۔ مذہب عیسائیت جس کی بنیاد وحی پر تھی اس کو فلسفہ یونان اور قدیم سائنسی مسلمات کے ہم آہنگ کرکے پیش کیا گیا۔ جب فلسفہ یونان قدیم سائنسی مسلمات مرور زمانہ کی بدولت اپنی حیثیت کھو بیٹھے تو اس کی بنیاد پر کھڑا کیا ہوا دین بھی متزلزل ہوگیا۔

اس وقت کی آفاقی دلیل فلسفہ یونان اور قدیم سائنس کو تصور کیا جاتا تھا اور آج کل کے دور میں فلسفہ جدید اور سوشل سائنس کو آفاقی دلیل سمجھا جاتا ہے اور آئندہ آنے والے زمانے میں نامعلوم کس چیز کو آفاقی دلیل سمجھا جائے۔

الغرض اگر سائنٹیفک میتھڈ سے کسی مسئلہ دین کو ثابت کریں بھی تو فائدہ کس کو ہوگا؟ سائنسی منہاج کو یا دین کو؟ جب آپ نے اوّلاً اپنا منہاج ہی چھوڑ دیا۔ بلکہ مدمقابل کے منہاج کو کسوٹی مان لیا تو جھگڑا باقی کیا رہ جاتا ہے۔ اسلام اور کفر کا جھگڑا صرف اسی بات کا ہی تو ہے کہ اسلام کہتا ہے کہ غلط کیا ہے اور صحیح کیا ہے؟ اس کے بارے میں رب فیصلہ کرے گا۔ قرآن جسے غلط بتائے ہم اسے غلط سمجھتے ہیں۔ وہ جسے صحیح بتلائے اسے صحیح سمجھتے ہیں۔ ہمارا منہاج اور کسوٹی دین اسلام ہے۔ یعنی قرآن سنت ہے۔ جب کہ عالم کفر وہ اس دین کو یعنی قرآن وسنت کو منہاج ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس لئے اسلام ان کو الگ ملت قرار دیتا ہے اور مسلمانوں کو الگ ملت قرار دیتا ہے۔ کفر کی کئی شکلیں ہیں۔ ہر شکل اپنا کوئی خاص منہاج اور کسوٹی بتاتی ہے جو قرآن وسنت کے علاوہ ہے۔

مثلاً عیسائی کہتے ہیں کہ ہم صحیح وغلط کے بارے میں، نفع ونقصان کے بارے میں، بائبل سے جانیں گے۔

ہندو کہتے ہیں کہ ہم صحیح وغلط اور نفع ونقصان کے بارے جانیں گے اپنی مذہبی کتابوں، ویدو غیرہ سے۔

سکھ کہتے ہیں کہ ہم گرنتھ سے جانیں گے صحیح کیا ہے غلط کیا ہے نفع نقصان کس سے ہے۔

سول سوسائٹی کہتی ہے ہم صحیح وغلط کے بارے میں معلوم کریں گے سائنٹیفک میتھڈ سے۔ یعنی انسانی کوشش کے نتیجہ میں سمجھ آنے والی بات ہی ہم تسلیم کریں گے۔ حق وناحق کے بارے میں جاننے کا منہاج ہمارے پاس بائبل، گرنتھ، یا قرآن نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے لئے کسوٹی اور منہاج سائنس ہے۔ ماقبل سوال کا جواب حاصل کرنے سے پہلے ہمیں یہ سوچنا ہوگا۔ اگر کوئی آدمی دین کے کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے اپنے منہاج، کسوٹی کو ہی ترک کر دیا ہے اور کفر کے منہاج اور کسوٹی پر اتر آتا ہے تو کفر کا مقصد تو پورا ہو گیا۔ قرآن وسنت کو معیار حق وباطل یا خیر وشر کی کسوٹی ماننے سے۔ جب ایک مسلمان دست بردار ہو گیا تو پھر کس چیز کے ثابت کرنے پر زور لگا رہا ہے۔ ساری اسلامی علمیت مسائل واحکام اسی بنیاد پر تو کھڑے تھے کہ مسلمان معیار حق

وباطل اور خیر وشر کے بارے میں جاننے کی کسوٹی صرف اور صرف قرآن وسنت کو سمجھتے ہیں۔اس کے علاوہ تمام طریقے جو کفر نے صحیح وغلط کو جاننے کے بنا رکھے ہیں یا خیر وشر کو پرکھنے کی کسوٹی بنا رکھی ہیں، سب کی سب باطل ہیں۔وہ بائبل ہو یا گرنتھ ہو یا پھر سائنٹیفک میتھڈ، اصل جواب یہ ہے کہ اس کائنات میں کسی بھی چیز پر آفاقی دلیل قائم نہیں کی جاسکتی۔نہ کفر پر نہ اسلام پر نہ ہی کسی تیسرے نظریے پر۔انسان اپنے مابعد الطبعیات کے تناظر میں دلیل قائم کرتا ہے۔زمان اور مکان کے اندر رہ کر سوچتا ہے۔دلیل اس جیسی مابعد الطبعیات (عقائد) رکھنے والوں کے لئے یا اس زمان ومکان (تاریخی تناظر) میں تو کارآمد ہوگی۔تاریخی تناظر و مابعد الطبعیات تناظر کے بدل جانے سے ہر دلیل بے وقعت ہو جاتی ہے۔اس لئے کوئی بھی دلیل آفاقی نہ ہو سکے گی۔

## مغربی ذہن کی گمراہیاں، علماء سے الحاد کی توثیق

یہ صدی دین کو رد کرنے کی نہیں ہے کہ ایک چیلنج کرنے والا اٹھے اور کسی مذہب کی علمیت اور بنیادی تعلیمات کو عقلی طور پر غلط ثابت کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے۔بلکہ اس صدی میں اور گزشتہ صدی میں بھی یہی ہوا، اور ہو رہا ہے کہ خیر خواہی اور تفہیم انداز میں اسلام کی اور دیگر مذاہب کی برملا تعریف کرتے ہیں اور چھپے الفاظ میں منطقی انداز میں مذہب کے بارے لوگوں کو بدظن کیا جاتا ہے یا شکوک ضرور پیدا کرتے ہیں۔طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ ایسی اصطلاحات جو اسلام میں مقبول ہیں، ان کو اپنے بیانات میں استعمال کرتے ہیں اور بڑی چابک دستی سے اصطلاحی لفظ کے سیاق اصلی کی جگہ کوئی اور چادر استعمال کرتے ہیں اور بطور منظر بیان کرتے ہیں اور لوگوں کو قائل کرتے ہیں۔اس کی واضح ترین مثال فرانس مستشرق ہنری کوربن (CorbinHenry) جس کو زمانہ حال کا سب سے بڑا مستشرق قرار دیا گیا۔

## مغربی ذہن کی گمراہیاں

۱..... عقائد، عبادات اور اخلاقیات کو دین کا لازمی جزو نہ سمجھنا بلکہ ان میں سے ایک کو خصوصا اخلاقیات کو اپنانا اور باقی کو چھوڑنا۔

۲..... عبادات کو محض رسوم ہی کو حیثیت سے قبول یا رد کرنا۔

۳..... اخلاقیات کو ہی مکمل دین سمجھنا اور مذہب کو صرف ایک اخلاقی نظام کہنا۔

۴..... عقائد مذہب کو قدیم زمانے کے ناپختہ ذہن کا مظہر کہنا۔

۵..... مذہب کو انسانی ذہن کی تخلیق سمجھنا، بلکہ یوں کہنا کہ انسانی ذہنی ترقی کے ساتھ مذہب بھی بدلتا رہتا ہے۔ خدا یا خدا کا تصور بھی ارتقاء پذیر ہے۔

۶..... وسعت نظری یا آزاد خیالی کے اصول کے تحت غلط عقائد کو بھی وہی مقام دینا جو صحیح عقائد کو حاصل ہونا چاہئے۔

۷..... معجزات اور کرامت کا انکار یا عقلی تاویل۔

۸..... ہر دینی مسئلہ کو انسانی نقطہ نظر سے دیکھنا، بلکہ دین کو انسانی فکر کا نتیجہ تصور کرنا اور جو چیز انسانی عقل سے ماوراء ہے اسے انسان کی سطح پر لانے کی کوشش کرنا۔

۹..... تحقیق کو دینی اصولوں کے ماتحت نہ رکھنا، بلکہ تحقیق برائے تحقیق۔

۱۰..... یہ نظریہ کہ خالص علم کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ علم صرف وہ ہے جس کے ذریعے مادی چیز بنائی جاسکے۔ یعنی علم کو صرف ایجادات کا ذریعہ سمجھنا۔

۱۱..... اپنی ذاتی رائے سے دین کی تفسیر کرنا اور تفسیر کا حق عام کردینا۔

۱۲..... دین اور دینا کو یا تو بالکل الگ کردینا یا پھر دین کو دنیا کے تابع کردینا۔ دوسرا رجحان آج کل زیادہ غالب ہے۔

۱۳..... مقدس کتابوں سے سائنسی اصول اخذ کرنے کی کوشش کرنا۔

۱۴..... انفرادیت پرستی کا زور اس کے پہلو ہیں۔ ایک تو ہر فرد کو دین کے معاملے میں رائے دینے کا حقدار سمجھنا، دوسرا استعداد کے سوال کو نا قابل توجہ خیال کرنا۔

۱۵..... صحت مند جانوں کو انسانی زندگی کا معیار بنانا۔

۱۶..... انسان کی مادی ترقی کو ہر چیز کا معیار بنانا قناعت سے انکار کرنا۔

عصر حاضر میں مستشرقین اور نو تعلیم یافتہ حضرات کے اسلام پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کی حقیقت اور جوابات (تفصیل کتاب سے دیکھیں) فتنوں مختلف شکلیں کی۔

<u>مذہب پر جدید حملہ</u>: مذہب کے خلاف اس کام کی مخالفت کرنے کا رواج ختم ہو چکا ہے۔ آج کل مذہب کی مخالفت اور مذہب کو نقصان پہنچانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں تحریف کی جاتی ہے۔ اس کی مروجہ اصطلاحات کو اصل پس منظر سے ہٹا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اصطلاحات کی غلط تشریح لوگوں کو سمجھائی جاتی ہے۔ یعنی اصطلاحات مذہبی رہیں، مگر اس سے مراد لیا جانے والا معنی ملحدانہ ہو۔